بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ جون سنہ ۱۹۳۰ء

ملاحظات ——— ۲
آصفی نظامیؒ — خان امتیاز علی عرشی — ۹
وزیر حربیہ (افسانہ) سید علی اکبر کاظمی بی اے — ۲۵
قرآن کے لطائف ادبی — عبدالمالک آروی — ۴۱
شاہ نظام الدین اولیاء کی ایک تصنیف۔ نقاد — ۵۵
باب المراسلۃ والمناظرۃ — ۶۶
باب الاستفسار ——— ۷۴

محلہ کی رونق ——— ۸۱
منظومات:- شمیمی - امین ۸۶
جگر - اختر
طالب - جمیل
غزلیات:- افسر - ریاض ۹۲
شمیمی - فرخ
معلومات ——— ۹۴-۹۶

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد-۱۷	جون سنہ ۱۹۳۰ع	شمارہ-۶

ملاحظات

جب کوئی ملک نہضت و ارتقا، کی طرف قدم اُٹھاتا ہے، تو مخالف قوتون کا متصادم ہونا متضاد عناصر کا باہمدگر متضارب ہو کر بڑھتے ہوے قدم کو روکدینا، ۔۔۔۔ دنیا کا کوئی نیا تجربہ نہین۔ زمانۂ قدیم کی تاریخ مین بھی اس کی متعدد مثالین ملتی ہین اور زمانۂ حال مین تو ہر ملک اسی دور سے گزر رہا ہے یا گزر چکا ہے۔ یوروپ مین، روس، جرمنی، ترکی کے انقلابات اور بلاد مشرق مین، افغانستان کے کوائف، چین کی بے چینیان، اور ہندوستان کا اضطراب ہر شخص کے سامنے ہے۔ جو ہو چکا اس کی داستان سب کو معلوم ہے اور جو ہونے والا ہے وہ دیدۂ بصیرت و اعتبار سے مخفی نہین

اس لئے اگر سرزمین ہند آج اپنی بہت سی امیدون کے ساتھ کچھ مایوسیان بھی رکھتی ہے، تو حیرت نہ کرنا چاہئے اور اگر راہ مین خار دار جھاڑیان دامن کو آسانی کے ساتھ گزرنے نہین دیتین، تو اس کو خلاف اندیشہ نہ جاننا چاہئے۔

کہا جاتا ہے کہ آزادی ہند کے لئے سب سے بڑا مانع یہان کی اقوام کا تنوع، یہان کے مذاہب کی کثرت ہے۔ اور موجودہ حالات کے لحاظ سے اس کو درست تسلیم کرنا پڑیگا، لیکن حقیقت و اصول کا جہانتک تعلق ہے مین ماننے کے لئے طیار نہین کہ ہندوستان مین اقوام کا تنوع پایا جاتا ہے یا یہ کہ مذاہب کی کثرت کا یہ ضروری نتیجہ ہے۔ اُس کو مین خلاف حقیقت کہتا ہون اور اس کو خلاف اصول۔

"قوم" کس کو کہتے ہین؟ قوم نام ہے ایک جماعت کا جس کے افراد بہ لحاظ تمدن و معاشرت بہ نظر امیال و عواطف

بہ اعتبار ذوق و مزاج ایک طرح کی یکسانیت رکھتے ہین اور انکا باہم ملکر زندگی بسر کرنا بغیر جذبات کو صدمہ پہونچائے ممکن ہے۔ پھر چونکہ انسانی طبائع صرف ملک کی آب وہوا، ملک کی پیداوار اور ملک کی اقتصادی کیفیت کے ماتحت بنتے ہین، اس لئے ہندوستان کے کسی باشندہ کا یہ کہنا کہ اس کی قومیت دوسرے باشندہ سے علیحدہ ہے، بالکل خلاف حقیقت ہے۔ وہ لوگ جو ہندوستان مین پیدا ہوئے، یہان کی آب وہوا مین جنھون نے پرورش پائی، یہان کے اقتصادی حالات کے ماتحت جنکی تربیت ہوئی، وہ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے کس اصول کی بنا پر جدا کہہ سکتے ہین اور اگر کہین تو کون صحیح الدماغ اسے باور کرسکتا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ملک کے مختلف حصون کے لوگ ذوق و طبائع مین تھوڑا سا اختلاف رکھین، لیکن یہ اختلاف اسقدر اہم نہین ہوسکتا کہ قومیت کو بدلدے۔ یوپی کا باشندہ، پنجاب کے رہنے والے سے، بنگال کا انسان مدراس کے باشندہ سے یقیناً کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور رکھتا ہے، لیکن مین یہ ماننے کے لئے طیار نہین کہ ان سب کا اجتماع متضاد عناصر کا اجتماع ہے۔ میرے نزدیک ہر وہ شخص جو ہندوستان کا باشندہ ہے ایک ہی قوم سے وابستہ ہے جس کا نام صرف ہندی یا ہندوستانی ہونا چاہئے، اور مختلف صوبون کے لوگون کا اپنے آپ کو مختلف قومیت سے نامزد کرنا، نہ صرف تمدن و اقتصاد، بلکہ خود قدرت و فطرت کے مقصود کے خلاف ہے اگر نظر انصاف سے کام لیا جائے

اب سوال یہ ہے کہ اگر حقیقتاً ہندوستان کی آبادی ایک ہی سرزمین پر سانس لینے کی وجہ سے اور ایک ہی ملک کی آب وہوا مین پیدا ہونے، بڑھنے جینے اور مرنے کے سبب سے، ایک ہی قوم کہلائے جانے کی مستحق ہے، تو پھر لوگون مین یہ اختلاف کیون ہے اور وہ کیون اپنے آپ کو مختلف اقوام سے تعبیر کرتے ہین؟ - اس کا جواب اتنا ہی آسان ہے، جتنا اسپر عمل کرانا دشوار — مین نے اس سے قبل عرض کیا تھا کہ ترقی ملک کی مانع دو چیزین ہین ایک اقوام کا تنوع جس کی حقیقت بیان ہوچکی اور دوسرے مذاہب کا اختلاف اور حقیقتاً یہی دوسری چیز ہے جسنے ہماری قومیت و وطنیت کو تباہ کیا اور جسنے ہم قوم ہونے کے مفہوم کو بالکل بدلدیا ہے

لوگ ہمیشہ سے اس غلطی مین مبتلا ہین کہ نوع انسان کی ترقی کا انحصار مذہب پر ہے اور مذہب ہی اصل چیز ہے جس کے مقابلہ مین ملک و وطن کا رشتہ کوئی حقیقت نہین رکھتا، حالانکہ انھون نے کبھی اس امر پر غور نہین کیا کہ مذہب کا رشتہ تو اسقدر نازک ہے کہ اعتقاد کی ذرا تبدیلی سے وہ ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوجاتا ہے، برخلاف رشتۂ وطنیت کے کہ وہ ہر حال مین اور ہر جگہ قایم رہنے والی چیز ہے ایک مسلمان عیسائی ہونے کے بعد جماعت اسلام سے علیحدہ ہوسکتا ہے لیکن اُسکے ہندوستانی ہونے سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔ اس لئے میرے نزدیک اصل خرابی یہ ہے کہ لوگ خواہ وہ ہندو ہون یا مسلمان عیسائی ہون یا موسائی، ہمدردی و تعاوُن کی بنیاد مذہب کے رشتہ پر قایم کرتے ہین اور ملک و وطن اُن کے سامنے کوئی چیز نہین ہے۔ ممکن ہے ایک شخص یہ کہے کہ مذہب کا رشتہ وطنیت کے تعلق سے بہت زیادہ وسیع ہے کیونکہ وہ ایک ملک سے دوسرے ملک بلکہ سارے کرۂ ارض تک وسیع ہوسکتا ہے لیکن اس کا یہ کہنا

اول تو محض امکانی صورت رکھتا ہے اور دوسرے یہ کہ نظم سیاسیات کے لحاظ سے ناقابل لحاظ ہے۔ ہیئت اجتماعی کی تشکیل اور کسی غرض مشترک کے ساتھ تمرکز خیال کے لئے ہمیشہ اول کسی محدود رقبۂ زمین کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر بعد کو اس مین وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم مذہب کو اس کی بنیاد قرار دیجئے تو ایک ملک کے اندر بھی ہم مرکزیت عامہ پیدا نہین کر سکتے، چہ جائیکہ دوسرے ممالک کو اس مین شریک کیا جائے۔ البتہ اگر قومیت و وطنیت کا جذبہ قوی ہو گیا تو اسکا مفہوم یہ ہو گا کہ ہم مین ایک اعتبار سے اخوت عامہ قایم کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی جس کو ہم بہت زیادہ وسیع بنا سکتے ہین۔ حتی کہ اپنا وطن بجائے کسی مخصوص سرزمین کے سارے کرۂ ارض کو قرار دے سکتے ہین اور ہر ملک و قوم کے انسان کو اس تعلق سے اپنا بھائی سمجھ سکتے ہین۔

بہر حال مین یہ نہین کہتا کہ مذہب غیر ضروری چیز ہے یا یہ کہ مذہب کا خیال ہی اصولاً ناواجب ہے۔ لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ آج نہ مذہب کے مفہوم سے کوئی واقف ہے اور نہ اس کی صحیح تعلیم دنیا مین باقی ہے۔ اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو بنی نوع انسان کے ساتھ محبت و ہمدردی کا درس نہین دیتا جو ابناء جنس مین باہم خلوص و رافت کا جذبہ پیدا نہین کرتا، تو میرے نزدیک وہ مذہب بالکل لغو ہے اور اس کی تعلیم دینے والے یکسر گمراہ۔ لیکن جس طرح مین یہ جانتا ہون کہ مذہب ہونے کی حیثیت سے دنیا کے تمام مذاہب ایک ہین اور انکا مقصود سوائے اس کے کچھ نہین کہ نوع انسانی ترقی کرے اور دنیا امن و سکون سے آشنا ہو، اسی طرح مین اس سے بھی واقف ہون کہ علمبرداران مذہب، اور رہنمایان مذہب جن کی گمراہ کن تعلیم کو ہم لوگون نے عین مذہب سمجھ لیا ہے، وہ یہی پسند کرتے ہین کہ انسان ہمیشہ دور جہل و انحطاط مین زندگی بسر کرے اور کرۂ ارض کبھی فتنہ و فساد سے خالی نظر نہ آئے۔

اس لئے ہماری موجودہ مشکلات کا سبب نہ حقیقتاً یہ ہے کہ ملک مین مختلف اقوام کی کثرت ہے اور نہ یہ کہ متعدد مذاہب یہان پائے جاتے ہین، بلکہ اس کا سررشتہ اُن جاہل مولویون، اُن ہٹ دھرم پنڈتون کے ہاتھ مین ہے، جنھون نے اپنی پلید ذہنیت، اپنی تنگ نظری اور ابلیسانہ فطرت سے مجبور ہو کر قومیت و مذہبیت دونون کا مفہوم نفسانیت و عصبیت قرار دیدیا ہے اور جن کے ہان انسان کا اولین و آخرین فرض صرف یہ ہے کہ وہ مخصوص مراسم عبودیت ادا کر لیا کرے، خواہ اخلاق و اطوار کے لحاظ سے وہ کتنا ہی درندہ کیون نہ ہو۔

مجھے ہندوؤن کے علما، مذہب کا حال نہین معلوم کہ انکا کتنا اور کس قسم کا اثر لوگون پر قایم ہے، لیکن مسلمان جماعت کا حال مجھے ضرور معلوم ہے اور مین وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ ہمارے ہان تمام خرابیون کا سبب صرف علما کی ذات گرامی ہے اور انھون نے ہمارے ذہن و دماغ ہمارے اخلاق و عادات کے بگاڑنے مین کوئی دقیقہ کوشش کا نہین اُٹھا رکھا۔ انھون نے بجائے مذہب کے ہم کو صرف رسم و رواج کا پابند بنایا، انھون نے مذہب کی حقیقی روح سے بیگانہ کر کے ہمکو عصبیت و تنگ نظری کی تعلیم دی اور انھون نے ہمیشہ وہی درس ہمکو دیا جو وطنیت کے جذبہ کو خاک مین ملا دینے والا تھا

انھون نے ہمکو تمام عمر کفر و اسلام کی نزاع، مسجد و مندر کی تفریق، ارتش و بروت کے جھگڑون مین پھنسائے رکھا اور کبھی اسلام کے اُس مفہوم سے آشنا نہین کیا جو ساری دنیا کے افراد کو ایک رشتہ سے وابستہ کردینے والا ہے۔ یہانتک کہ اگر آج کوئی شخص مجھ سے دریافت کرے کہ اصلاح ملک و قوم کی بہترین تدبیر کیا ہے تو مین صرف یہی کہونگا کہ بلا امتیاز و تفریق اس جماعت کے ایک ایک فرد کو منہدم کردینا چاہیئے اور ان کے ہاتھون سے وہ اقتدار چھین لینا چاہیئے جس کے بدولت یہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہنے والے اس وقت تک "خدائی" کرتے چلے آئے ہین۔ ان مین سے "سوء" و "خیر" کا انتخاب، نسیہ و نقد کے امتیاز مین نہ صرف وقت ضائع کرنا ہے بلکہ بڑی حد تک خطرناک بھی ہے کیونکہ اگر ہمکو کوئی ایسا ظرف دیدیا جائے جس مین ۹۹ سانپ ہون اور ایک مچھلی اور اس کے اندر ہاتھ ڈالکر مچھلی نکال لینے کا اختیار دیا جائے تو ہمارے لئے چارۂ کار سوائے اس کے کیا ہوسکتا ہے کہ ہم اس ظرف ہی کو زمین مین دفن کردین اور ایک مچھلی کی جستجو مین ۹۹ سانپون سے ڈسے جانے کے خطرہ کو منظور نہ کرین۔

ایک مولوی تبلیغ اسلام کے نام سے جمعیۃ قایم کرکے مسلمانون کی موجودہ بے معنی جماعت مین اُسی بے معنی ذہنیت رکھنے والے افراد کا اضافہ کرسکتا ہے، خلافت کی لغو و بے بنیاد تحریک کو قائم رکھنے مین وہ قرآن و حدیث کے سارے دفتر کو ہر مہمل تاویل کے ساتھ پیش کرسکتا ہے، وہ دیوبند مین بیٹھکر خدا اور رسول کے بہانے سے ہر طاغوتی قوت کو بروئے کار لاسکتا ہے، وہ فرنگی محل مین بیٹھکر اپنے آپ کو دین کا "والی و قطب" ظاہر کرتے ہوئے صرف عرب و فلسطین کی سیاسیات مین دلچسپی لینے کی تعلیم مسلمانون کو دے سکتا ہے۔ لیکن اس کو یہ سلیقہ کبھی حاصل نہین ہوسکتا کہ وہ ملک کے فلاح پر غور کرے، وطن کی سیاسی اقتضاء کو سمجھے اور اس ایثار و قربانی کا درس دے جس کو سب سے زیادہ اسلام ہی نے سمجھا اور سمجھایا۔

لفظ "مسلمان" دنیا مین صرف ایک ہی مفہوم کے ساتھ پیش کیا گیا تھا اور وہ مفہوم "بہترین انسان اور بہترین متمدن" ہونے کا تھا، لیکن آج یہ علمبرداران اسلام، یہ حاملان مذہب اپنے اقوال و افعال سے، اپنی گفتار و کردار سے اسکا مفہوم یہ بتارہے ہین کہ نہین "مسلمان" وہ ہے، جو انتہا درجہ کا تنگ نظر ہو حد درجہ کا خود غرض ہو اور بے انتہا کمزور و بزدل بھی ہو یعنی اس کا ذریعۂ فخر بلندی اخلاق و پاکیزگی سیرت نہین رہا، بلکہ اس کی پہچان اب صرف یہ رہگئی ہے کہ خدا کی عبادت کی جگہ وہ صرف محراب و منبر کی پوجا کرتا ہو، قرآن کے الہامی ہونے کے ثبوت مین وہ اس کی بلند تعلیم پیش کرنے کے بجائے معجزۂ شق القمر اور فصاحت و بلاغت کا ذکر کرتا ہو اور اپنے سوا سب کو کافر ملحد مشرک اور ناری بتاتا ہو۔ حالانکہ اس غریب کو یہ خبر نہین کہ ذہنیت کا یہی وہ دور ہے جو "فی الدرک الاسفل من النار" سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی وہ منزلِ انحطاط ہے جہان پہونچنے کے بعد "علی شفا حفرۃ من النار" کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔

اس کے یہان "دعوۃ الی الخیر" کے معنی صرف یہ ہین کہ جہانتک ممکن ہو "مولوی" کی دعوتین کرو اور عمدہ غذاؤن سے قربانی کے بکرے کی طرح اسکو موٹا کرو، حالانکہ حقیقی قربانی کے لئے کبھی اس کی گردن جھکنے والی نہین اس کے وعظ مین "امر بالمعروف"

کا مفہوم یہ ہے کہ جو مشہور مولوی کہے بلا سوچے سمجھے، بلا غور و فکر صحیح مان لو، گو وہ تمام عمر تمھین غلطیون مین مبتلا رکھے - اور اسکے نہی عن المنکر کی تبلیغ اس سے زیادہ نہین کہ نماز کے وقت ناقوس کی آواز نہ بلند ہونے دو، مسجد کے سامنے سے باجہ نہ گزرنے دو اور اگر وہ بہت ہی ردی قسم کا مولوی ہے تو یہ بھی کہہ گزرتا ہے کہ داڑھی نہ منڈاؤ، کوٹ پتلون نہ پہنو - الغرض نہ اس کی سیرت ایسی ہے کہ ہم اس کو دیکھ کر اپنی زندگی کی کوئی شاہراہ قائم کر سکین اور نہ اس کے اقوال مین کوئی ایسی حکمت مضمر ہے جو ہماری تمدنی زندگی اور ہماری انسانی خصوصیات کے لئے مفید و کار آمد ثابت ہو۔

آج ہندوستان جس دور اضطراب سے گزر رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہین اور مسلمانون کی جماعت اپنے قائدین و علماء سے مستفسر ہے کہ وہ کیا کرے، لیکن مولوی کو کہان فرصت کہ وہ تبلیغ، خلافت اور فلسطین کے لایعنی قصون کو ترک کر کے اس جانب متوجہ ہو۔

جمعیۃ العلماء کے جس گروہ نے آزادی ملک کے نصب العین کو سامنے رکھ کر تحریک کانگرس مین شرکت کا رزولیوشن پاس کیا ہے، اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے اور جس جماعت نے اس کی مخالفت مین آستانۂ حکومت پر جبہ سائی کو ترجیح دی ہے، اس کا حال بھی کسی سے مخفی نہین - کیونکہ نہ اُس جماعت مین یہ ہمت و جرات ہے کہ علاوہ اس تحریک کو بار آور بنائے اور نہ اس مین یہ سلیقہ کہ حکومت ہی سے کوئی جایز یا ناجایز فائدہ اٹھا سکے - بہر حال مسلمانون کو جان لینا چاہئے کہ اسوقت ان کی جماعت مین کوئی قاید و رہنما کوئی مولوی اور مولانا اس قابل نہین ہے کہ اس کے اقوال و افعال پر اعتماد کیا جائے اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ خود غور کرے کہ اُسے کیا کرنا چاہئے اور یہ کہ ہندوستان کے ساتھ رشتۂ طینت قائم رکھنے کے بعد عقل و فراست کا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے - تاریخ کا فیصلہ اس باب مین ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ ساحل تک پہونچنے والے وہی لوگ ثابت ہوئے ہین، جنھون نے مضطربانہ ہات پانون مارے اور جنھون نے اپنے آپکو طوفان کے رحم پر چھوڑ دیا وہ ایسے غرق ہوئے کہ پھر انھین ابھرنا نصیب نہ ہوا۔

ہملوگون کی ادنیٰ ذہنیت اور سطحی مذہبیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب حافظ عزیز احمد (اہلمد جوڈیشل حیدر گڈھ ضلع بارہ بنکی) ۲۳ مئی کے ہمت مین "مادر زاد حافظ" کے عنوان سے ایک مراسلہ شایع کراتے ہین کہ موضع رونی تحصیل حیدر گڈھ مین کسی نداف کا لڑکا ہے جسکی عمر ۹ سال کی ہے اور جو حافظ پیدا ہوا ہے، یعنی اس نے کہین کوئی تعلیم حاصل نہین کی لیکن قرآن اس کو حفظ ہے اور متعدد اصحاب کے سامنے امتحان لینے سے اس کی تصدیق ہو گئی ہے - مراسلہ نگار نے لڑکے کی اس صفت و کیفیت کا نام "کرامت" رکھا ہے اور اس لڑکے کا "مادر زاد ولی" - صاحب موصوف فرماتے ہین کہ "قدرت نے بسا اوقات طرح طرح کی کرامتین اپنے بندون کے ذریعہ سے ظاہر کی ہین اور منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے"

اس مراسلہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانون مین کرامت و ولایت کا کیا مفہوم ہے اور وہ کسقدر اوہام

پرستی مین مبتلا ہین۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ واقعہ جس سے حافظ عزیز احمد استحکام ایمان کا کام لے رہے ہین، کہین "تناسخ" کے ثبوت مین نہ پیش کر دیا جائے جس کا خیال کرنا بھی ایک مسلمان کو جہنمی بنا دینے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اس سے قبل متعدد بار اسی طرح کے صاحب کرامات لڑکے ہندوؤن کے یہان بھی پیدا ہو چکے ہین جو بجائے حافظ قرآن ہونے کے بڑے ویدانت تھے اور ان واقعات کو اُن کی طرف سے تناسخ کے ثبوت مین پیش کیا جا چکا ہے۔

گزشتہ ماہ کے اندر علیا حضرت سلطان جہان بیگم، فرمانروائے بھوپال کی والدۂ محترمہ کا انتقال، ایک ایسا سانحہ ہو گیا ہے کہ بقول سعدی

آسمان را حق بود گر خون بہ گرید بر زمین

ہر چند علیا حضرت اپنی عمر طبیعی کو پہونچ چکی تھین، لیکن ان کی موت یقیناً غیر طبیعی طور پر ہوئی یعنی یہ کہ زیر ناف آپریشن کیا گیا اور قلب نے اس کا متحمل نہ ہو کر حرکت بند کر دی۔ علیا حضرت جن خصوصیات کی مالک تھین وہ ملک کے کسی فرد سے پوشیدہ نہین۔ آپ کی علم پروری، آپ کا پاکیزہ اخلاق آپ کی خالص مذہبی زندگی اور پھر ان سب سے زیادہ ملک و قوم اور خصوصیت کے ساتھ طبقۂ نسوان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر وقت آپ کا منہمک رہنا، یہ وہ باتین تھین، جنھون نے آپ کو حقیقتاً مردون کی صف مین بھی نمایان جگہ دی تھی۔ سرزمین بھوپال کا موجودہ علمی دور آپ ہی کی ذات سے قایم تھا اور تصنیف و تالیف خود آپ کا بہترین مشغلۂ حیات تھا۔ اہل علم و کمال کی قدردانی جس طرح آپ کے زمانۂ حکومت مین ہوئی، وہ بھی ملک سے مخفی نہین۔ چونکہ مجھے خود بارہا علیا حضرت کی بارگاہ مین شرف حضوری حاصل ہوا ہے، اس لئے مین کہہ سکتا ہون کہ جس جامعیت و خوش اسلوبی سے آپ علمی و معاشرتی مسایل پر گفتگو فرماتی تھین وہ علماء عصر مین بھی نظر نہین آتی۔

بہر حال علیا حضرت کا اُٹھ جانا، نہ صرف بھوپال، بلکہ تمامی ہند کے لئے ایک ایسا فقدان عظیم ہے، جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہین اور سب لوگ جتنا ماتم بھی کرین کم ہے۔ ہمین امید ہے کہ بھوپال کا محکمۂ تاریخ جلد از جلد آپ کی سیرۃ مرتب کر کے ملک کے سامنے پیش کریگا اور موجودہ حکومت اُن روایات علم پروری کو بدستور قایم رہنے دیگی جو علیا حضرت کی ذات سے قایم تھین۔

دوسرا ادبی سانحہ لالہ سری رام ایم۔اے مولف خمخانۂ جاوید کی وفات کا ہے۔ مرحوم دہلی کے رؤساء مین سے تھے اور بہت پاکیزہ اخلاق رکھتے تھے۔ آپ کا کتب خانہ ایک آئینہ تھا جس سے آپ کے ذوق علم و ادب کا حال معلوم ہوتا تھا اور آپ کا ہر وقت کسی نہ کسی علمی مشغلہ مین مصروف رہنا آپ کی فطری صلاحیت کا ثبوت تھا۔

تذکرۂ خمخانۂ جاوید کی ترتیب و اشاعت مین آپ نے جسقدر بادی و ذہنی ایثار سے کام لیا وہ تاریخ ادب کا ہمیشہ یاد رہنے والا واقعہ ہے۔ افسوس ہے کہ مرحوم اس سلسلہ کو مکمل کرنے سے قبل اُٹھ گئے اور نہین کہا جاسکتا کہ اب اس کا حشر کیا ہوگا لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ اب اس کام کو پنڈت دتاتریہ کیفی انجام تک پہونچائین گے تو ہمکو مایوس نہ ہونا چاہیے ممکن ہے کہ رلف خمخانہ کی تمنا پوری ہو کر رہے اور اس کی اشاعت کا سلسلہ بدستور قایم

اس ماہ کی اشاعت مین "آصفی نظامی" سلسلہ کا مضمون ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خان امتیاز علی عرشی نے پورا حق وطنیت اس مین ادا کیا ہے۔ اس مین کلام نہین کہ آصفی نظامی دورِ آخر کے نہایت پرگو اور کامیاب فارسی زبان کے شاعر تھے، لیکن اگر فاضل مضمون نگار ان کے کلام کی خصوصیات کو اس طرح نمایان نہ کرتے تو غالباً اس جوہر قابل کا علم بھی کسی کو نہ ہوتا۔

"قرآن کے لطایف ادبی" نگار کے مقالہ نگار خصوصی مولوی عبد المالک آروی کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اور نہین کہا جا سکتا کہ اسکی تکمیل کتنی اشاعتون مین ہو اس مقالہ کو صرف تمہید سمجھنا چاہیے مجھے نہین معلوم کہ اس بحث مین انھون نے "قرآن کی فصاحت و بلاغت" سے بہ حیثیت معجزہ اعتنا کیا ہے یا نہین۔ اگر نہین، تو مین انھین مشورہ دونگا کہ اسی سلسلہ مین وہ اس موضوع پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کرین، تاکہ ان لوگون کو بھی کچھ کہنے کا موقعہ ملے جو اس کے قایل نہین ہین۔

راحت القلوب پر جناب نقاد نے جس اہتمام سے تنقید کی ہے وہ اگر خصم کو ساکت نہین کر سکتی، تو زیادہ سے زیادہ اسیقدر یارائے تکلم دے سکتی ہے کہ وہ شاہ نظام الدین اولیاء سے اس کتاب کی نسبت کا انکار کرین۔

باب المراسلہ مین ایک تحریر جناب فضل حمید دہلوی کی ہے، جس مین میری مذہبیت سے بحث کی گئی ہے اور دوسری جناب ریاض خیرابادی کی جسے انشاء کا ایک پاکیزہ نمونہ ہونے کے لحاظ سے درج کیا گیا ہے۔ حسب عادت مین نے دونون کا جواب دیا ہے لیکن اتنا عرض کئے دیتا ہون کہ میرا جواب "جواب طلب" نہین ہے۔

باب الاستفسار مین اس مرتبہ ایک خاص بحث ایسی چھڑ گئی ہے جس کا سلسلہ زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے، اگر مولویون نے اپنی عادت کے موافق اپنی "خرافیات" کو "حقیقیات" ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جناب سید علی اکبر کاظمی بی اے کا افسانہ بلاٹ کے لحاظ سے بہت دلچسپ ہے۔ "محلہ کی رونق" مین، مینے قصداً افسانہ کا رنگ پیدا ہونے نہین دیا۔ نظمون اور غزلون پر ہر شخص اپنے ذوق کے لحاظ سے اچھے برے ہونے کا حکم لگائے مجھے کوئی اعتراض نہین۔

آیندہ ماہ سے نگار کی اٹھارہوین جلد شروع ہوگی اور ایسے معرکۃ الآرا مضامین کے ساتھ جو ذہن انسانی مین خاص انقلاب پیدا کرنے والے ہونگے۔ ان مین سے اکثر مقالات اڈیٹوریل ہین۔ جن حضرات کا چندہ جون کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، وہ اگر منی آرڈر بھیجکر وی پی کی زحمت سے بچنا چاہین تو بہتر ہے ورنہ جولائی کے ابتدائی ہفتہ سے وی پی کی روانگی شروع ہو جائیگی

خاقانیٔ ہند، قاآنیٔ عصر، علامہ آصفی نظامی

بہاریہ بہاریہ تشبیب مین، ابر کا امنڈ امنڈ کر آنا، گھٹاؤن کا عالم پر چھا جانا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤن کا چلنا، بہار کی آمد، خزان کا نزول، قوتِ نامیہ کی بیداری، موالید ثلاثہ کی بالیدگی، مزاجِ عالم کی اعتدال آشنائی، بہار کی وسعتِ دستگاہ، سلطانِ گل کی قوت و حکومت، چمن کی مشاطگی، دشت و صحرا کی گلبن و بوستان سے حریف پیشگی، مے مردافگن کا دور، اور کسی گوشۂ باغ مین معشوقِ سیمین تن کی صحبت وغیرہ کا تذکرہ ہوا کرتا ہے۔

انسان فطرتاً، مناظرِ قدرت کا گرویدہ ہے۔ یہ مناظر اسقدر دلچسپ اور باعث مسرت ہوتے ہین کہ شاید ہی کوئی طبیعت لطف نہ اٹھاتی ہو۔ چمن کا پھول بوڑھے سے لیکر بچہ تک، اور مینہ کی پھوار مرد سے لیکر عورت تک، ہر طبقہ ہر ملک اور ہر ذوق کے انسان کیلئے رحمتِ خداوندی ہے۔ چونکہ مضمون ہر دل عزیز ہے، اور وسیع بھی۔ اسلئے متعدد اسلوب سے ادا ہو سکتا ہے۔ قدما نے اپنی تشابیب مین بہاریہ خوب دل کھولکر لکھا ہے۔ صرف یہی ایک وہ عنوان ہے، جو سب سے کم تخیل، اور سب سے زائد محاکات کا محتاج ہے۔ محاکات کیلئے، قدماء کا زورِ قلم ممتاز خصوصیت رکھتا ہے۔ اسلئے انوری وغیرہ کے قصائد "بہار" سے پر ہین۔ تفصیل کا محل نہین۔ صرف انوری کے دو چار شعرون سے اندازہ کرلو۔

نوبہار آمد و ہنگامِ طرب در گلزار — چہ بہارے کہ زد لہا ببرد صبر و قرار
ساقیا، خیز کہ گل رشکِ رخِ حورا شد — بوستان جنت و می کوثر و، طوبی ست چنار
مردہ خواہد کہ ببیند بچنین فصل ازجا — کشتہ خواہد کہ رخان لالہ کند یا گلباز
بادِ نوروز، سحرگہ چو بہ بستان بگذشت — گلِ صد برگ بردن رست زپیرامن خار
چہ بدستیٔ فلک، بین تو کہ بے خامہ و رنگ — کردہ اطرافِ چمن را ہمہ پر نقش و نگار
نقشبندیٔ ہوا باز نگہ کن بر گل — کہ دو صد دائرہ بر دائرہ زدیے پرکار

بادِ شبگیری، نسیم آورد باز از جوبار — ابر نوروزی علم بفراخت باز از کوہسار
این چو پیکانِ بشارت بر شتابان در ہوا — وان چو بیلانِ جواہر کش خرامان در قطار

"پیکانِ بشارت بر" اور "بیلان جواہر کش" کی ترکیبین بہت پاکیزہ استعمال کی ہین۔

گہ معطر خاکِ دست از بادکا فوری نسیم — گہ مرصع سنگِ کوہ از ابرِ مروارید باز
بوئے خاکا از نرگس و سوسن چو مشکِ بتتی — روئے باغ از لالۂ و نسرین جو نقشِ قندھار

یہی حال، ظہیر فاریابی اور کمال اصفہانی وغیرہ کا ہے۔ حسان العجم خاقانی بھی بہار کی ہمہ گیری سے محفوظ نہ رہ سکے، مگر تھے مغلق گو، بہار بھی مغلق ہی رہی۔ اگر شوق ہو، تو یہ قصائد پڑھو۔

جامِ طرب کش کہ صبح کام برآمد
دوش برون شد زدلو، یوسفِ زرین نقاب
تا نفحاتِ ربیع صور دمید از جہان
دستِ صبا بر فروخت مشعلۂ نو بہار

عرفی کی عاشقانہ طبیعت فطرت کے مظہر اتم (انسان) ہی کا نظارہ کرتی رہی۔ بیچارہ گل و بلبل کے فسانہ کے لئے کہاں سے وقت نکالتا۔ اسکے ہاں صرف دو بہاریہ تشبیبین ہیں، حسنِ یار گل، اور حل و الحلل۔

خیر اس میں بھی کچھ ہرج نہ تھا اسکی افتادِ طبع ہی عاشقانہ تھی مگر ستم یہ ہوا۔ کہ دماغ بادۂ تخیل سے سرشار تھا، اسنے بہاریہ کو کوہ قاف کی خیالی دنیا بنانے کی سعی کی۔ اس کش مکش میں حقیقت دامن چھڑا کر غائب ہو گئی

ابتداءً آصفی بھی اس روش کے دلدادہ تھے۔ چنانچہ عرفی کی دونوں طرحوں پر طبع آزمائی کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ سر دست عرفی سے توازن کرتے چلیں ورنہ قاآنی کی زمین میں داخل ہو کر، یہ دنیا ہیچ نظر آئیگی

عرفی کی طبیعت مشکل پسند واقع ہوئی تھی، وہ محاکات کی جگہ تخیل کا بادشاہ تھا۔ اسلئے ہمیشہ سخت اور دشوار گذار زمین انتخاب کیا کرتا تھا۔ کیونکہ اس میں تخیل کی زیادہ گنجایش ممکن ہوتی ہے۔ گو بہاریہ میں یہ امر دشوار ہے۔ مگر دماغ کی ساخت نے یہاں بھی راہ نکال لی۔

سب سے پہلے کاتبی نے "حسنِ یار گل" ردیف و قافیہ میں قصیدہ لکھا تھا۔ امیدی اور ہلالی کو یہ زمین بھائی اور وہ بھی ہمنوا ہو گئے مولانا عرفی نے یہی طرح اختیار کی۔

جب آصفی نے اس طرح پر قلم اٹھایا۔ تو اپنے سامنے پانچ قصائد پائے۔ جو بترتیب زمانہ، کاتبی، امیدی، ہلالی، عراقی، اور بیدل نے لکھے تھے۔ میرے سامنے صرف عرفی ہے چونکہ مولانا آصفی نے اس کے تمام قوافی لکھے ہیں۔ اسلئے صرف ہمقافیہ اشعار کا توازن کافی ہے

عرفی کا مطلع ہے۔

نو بہار آمد، کہ افشانہ چو حسنِ یار گل   چون وصالِ یار ریزد ہر خس و ہر خار گل

مقصد تو یہ ہے، کہ "جس طرف نظر ڈالئے، بہار ہی بہار ہے" مگر عرفی کا مذاق عاشقانہ تھا۔ اس لئے اسنے اسلوبِ ادا عشقیہ اختیار کیا۔ اور ستائشِ بہار بھی، حسنِ یار، اور وصالِ یار کی زنجیر سے نہ چھوٹ سکی۔

یہ طرز بیان بجائے خود، کیسا ہی دلکش کیوں نہ ہو۔ مگر حسنِ فطرت کے جویا کے لئے دلچسپ نہیں۔ آصفی نے عرفی کی

اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا - اور کوشش کی کہ جدت اداسے گل کی ہمہ گیری پر مہر لگا دین - فرماتے ہین

بازفیض نو بہاران، میکند ایثار گل | گلستان گل، دار و دشت و دامن کہسار گل

عرفی
گل فروشی بود مخصوص دلِ افگار را | کرد بے عزت بہار آخر بہر بازار گل

آصفی
از زلیخائی دلہا، قدر او افزون شود | سر نہد، گو، مثلِ یوسف، بر سرِ بازار گل

عرفی کو آمد بہار اور فیض نامیہ مین گل کی بے عزتی، اور گلشن کی گل فروشی مین - دلِ افگار کی حریف ہمشگی نظر آتی ہے - اسے حیرت ہے - کہ "بہار کو یہ دستگاہ کہان سے ہوئی - جو آج یون پھول برسا رہی ہے - یہ جوہر تو میرے دل کا شیوہ تھا" یہ مضمون بہاریہ بہاریہ تشبیب کو محاسن سے محروم کرتا ہے - ستائش و مدح، مین منقصت کا پہلو نکلنا عیب ہے - شعر پڑھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شاعر کو بہار اور سرمایۂ بہار سے لطف نہین آتا - بلکہ اسکی طبیعت اور منقبض ہوتی ہے

آصفی فطرت کا دلدادہ اور جلوۂ گل کا جویا ہے - اس کا خیال ہے - کہ ہر شے کی قدر و منزلت اس کے اوصاف کے مشاہدہ پر موقوف ہے - جبتک یوسفؑ بازار مین نہ پہنچے تھے - چند کھوٹے درہم قیمت اٹھی تھی - مگر بازار مین آنا تھا - کہ زلیخا نے دل نذر کر دیا - پھر سر بازار جلوۂ گل کیون تلاش نہ کرے - اس سے گل کی منزلت پہچانی جاسکے گی -

عرفی پر حیرت ہے - بہاریہ لکھنے بیٹھا ہے - مگر موسم گل کی منقصت کرتا ہے - علاوہ ازین اس کے پہلے مصرع کی بندش بھی سست ہے - آصفی کا شعر اس عیب سے پاک ہے - رہی زلیخا اور یوسف کی تلمیح - جس نے شعر کو ایک اہم صنعت سے مالا مال کر دیا ہے وہ سراسر مزید ہے -

عرفی
بعد ازین از فیضِ رنگ آمیزیِ فصلِ بہار | خامۂ بے رنگ ریزد بر در و دیوار گل

آصفی
جوش دارد رنگ و بو، از جنبشِ بادِ نسیم | گر مصور نقش بندد، بر در و دیوار گل

مبالغہ کلام کی جان ہے - مگر اس کی خوبی یہ ہے - کہ حقیقت پر محمول کیا جاسکے - بالفاظ دیگر وہی مبالغہ زیادہ پسندیدہ ہے - جو سامع کو حقیقت سے زیادہ قریب نظر آئے - عرفی کا شعر مبالغہ کی خوبی سے محروم ہے - ایسا کبھی نہین ہوتا کہ سادہ قلم سے کچھ پھول پتیان بنا دی جائین - اور رنگدار معلوم ہون - لیکن یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے - کہ نقاش در و دیوار پر پھول پتیان بنا دیتا ہے - اور کچھ اس کاریگری سے رنگ بھرتا ہے - کہ نظر فریب کھا جاتی ہے - دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ سچ مچ کے پھول ہین دیکھیے اس پر اضافہ کرتی ہے اور یہ خیال گزرتا ہے - کہ ہوا کے ساتھ خوشبو کی لپٹین دماغ کو معطر کر رہی ہین - اپنی قوت متخیلہ پر زور دیکر دیکھو - سادہ اور بیرنگ قلم سے رنگ آمیزی واقعیت سے کوسون دور نظر آئے گی لیکن رنگین پھولون سے، رنگ و بو کی موجین امنڈتی نظر آنا، واقعہ معلوم ہوگا

عرفی
بسکہ طبعِ کائنات از خرمی آبستن است | بر دماند بادِ آہِ مجرمان بردار گل

آصفی
از دم تیغ ستم، برجائے زخم خونچکان | گلبن آسا میدمد از چوبِ خشکِ دار گل

عرفی کا شعر لطیف ہے - سانس مین تری ہوتی ہے - ادہر کائنات کی طبیعت خوش و خرم ہے - اس لئے مجرم کی سانس سے دار کی

لکڑی میں سے پھول نکل آنا کچھ بعید نہین۔ لیکن آصفی کا شعر لطیف تر ہے۔ بظاہر بات ایک ہے۔ لیکن جدت کی کارفرمائی نے زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ زخمون سے خون بہکر سولی کی خشک لکڑی پر جم جاتا ہے۔ تو یہ نظر آتا ہے۔ کہ نقش و نگار ہین۔ تلوار کا دم نہ صرف شاعر کے ذہن مین بلکہ یون بھی حقیقتؔ (؟) اس نقاشی کا باعث ہے۔ اس لئے آہِ مجرم کے مقابلہ مین، دمِ تیغ، ہر حیثیت سے مکمل وجہ روئیدگی کہا جا سکتا ہے۔

عرفیؔ
از نہالِ قامتِ خوبان ۔ درین موسم رواست ۔ گر بجائے عشوہ ریزد، در دمِ رفتار گل

آصفیؔ
نقش پائے شاہدِ شنگولِ عہدِ نو بہار ۔ از نسیم ناز افشاند دمِ رفتار گل

عرفی کے مضمون کی بنیاد صرف الفاظ پر ہے۔ چون کہ معشوق کے قد کو نہال سے تشبیہ دیتے ہین۔ اور نہال مین پھول آتے ہین اسلئے شاعر کا ذہن مجاز کو حقیقت سے بدلنا چاہتا ہے۔ ادہر موسم ہے بہار کا۔ اسلئے متخیلہ کے نزدیک اور زیادہ ممکن نظر آتا ہے۔ کہ عشوہ و ادا کی جگہ اس فصل مین معشوق کے جسم سے پھول جھڑنے لگین

آصفی نے بھی یہی مضمون باندھا ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ قیامت برپا کی ہے۔ عدیم النظیر جدت سے مضمون ناقابلِ انکار حد تک معجزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ غور فرمایئے!۔

"بہار کا موسم ہو۔ کوئی مست ناز خرامان خرامان جا رہا ہو۔ شباب اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ شرابِ حسن چھلکی پڑتی ہو۔ دمِ رفتار کچھ نقش زمین پر بنتے چلے جاتے ہون۔ شاعر یہ منظر دیکھے، تو کیون نہ تڑپ اٹھے؟۔ موسمِ بہار مین شاہد شنگول کا جھوم جھوم کر چلنا اور قدمون کے نشان زمین پر بنجانا اسے یقیناً یہی نظر آئے گا۔ کہ ناز و انداز کی ہوا، قدمون سے پھول برسا رہی ہے"

کیا تخیل نے بیجا فریب کھایا۔ جو دماغ شرابِ حسن سے مدہوش ہو حقیقت سے باخبر نہین ہو سکتا۔ اس کو نقوشِ قدم پھول ہی نظر آئین گے۔ لیکن عشوہ باری کے بدلے پھول برسنا صرف تخیل ہے۔ علاوہ ازین عرفی کا مضمون کمزور بھی ہے وہ صرف امکان و جواز کا دعوی کرتا ہے۔ یعنی اگر ایسا ہو جائے تو امتناعِ عقلی نہین لیکن آصفی اس کو واقعہ بیان کرتے ہین۔ یہ انکا نذر کا مشاہدہ ہے۔

عرفیؔ
مشہد بختِ مرا پژمردہ گل برگے رسید ۔ بسکہ از بذلِ چمن گردیدہ بیمقدار گل

آصفیؔ
صورت گلشن، ز عکس او شود مرآتِ چرخ ۔ جلوہ ہا کردہ ست، یارب، تا چہا مقدار گل!

مفہوم متحد ہے۔ عرفی بھی پھولون کی کثرت دکھا رہا ہے۔ آصفی بھی یہی چاہتے ہین لیکن طرزِ بیان، اور روشِ ادا بدلجانے سے بظاہر صورت بدل گئی ہے۔ عرفی کا شعر کمزور ہے۔ اس کے شعر سے پھولون کی منقصت ٹپکتی ہے۔ پھولون کی اسقدر کثرت اور بہتات کہ چمن کی نظر مین انکی وقعت ہی نہ رہے۔ زیبا بات نہین۔ لیکن آسمان پر چمن کا عکس پڑنا، اور پھر ساری فضا کا پھول ہی پھول نظر آنا، لاجواب بات ہے۔ شیشہ مین جو چیز منعکس ہوتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل شیشہ کے اندر موجود ہے۔ آسمان کے شفاف آئینہ مین چمن کا عکس نظر آتا ہے۔ تو شاعر حیرت سے سوال کر بیٹھتا ہے خداوندا پھول کا جلوہ کسقدر ہمہ گیر

اور لامتناہی ہے۔ کہ سارا عالم بھرا ہوا ہے۔

مضمون بجائے خود ہی ستائش خواہ تھا۔ مگر اس استعجاب نے چار چاند لگا دیئے۔ بے اختیار زبان سے سبحان اللہ نکل جاتا ہے

عرفی — در چنین فصلے، کہ از فیض ہوائے نو بہار — درزمین شور میر دید ز نوک خار گل

آصفی — از گلستان تا نگارستان، نباشد امتیاز — مید ہد چون شاخ گل، از ہر خس و ہر خار گل

یہ قافیہ عرفی نے قطعہ مین لکھا ہے، لیکن ہمین صرف یہ دکھانا ہے۔ کہ عرفی کا یہ شعر جو اپنے مدعا کی ادائیگی مین دوسرے کا محتاج نہین ہے۔ آصفی کے ہمقافیہ شعر سے پست نہین ہے۔ تو بلند بھی نہین۔ لیکن یہی قافیہ آصفی نے دوسری جگہ اس خوبی سے لکھا ہے۔ کہ باید و شاید۔ فرماتے ہین

بسکہ بالد دستگاہِ نامیہ از نو بہار — مید ہد از شاخ گل، از برگ گل از خار گل

یہی حال آیندہ قوافی کا ہے۔ دونون کے اشعار پڑھو اور بتاؤ کیا اب بھی دنیا یہی بے بنیاد عقیدہ رکھے گی۔ کہ اہل فارس کی حریف بیشگی ہندی سے ممکن نہین۔ یادگارِ غالب مین مولانا حالی نے یہ خیالی عمارت ڈھا دی ہے۔ اُن کے نزدیک تخیل کی وسعت غیر محدود ہے۔ فیضانِ خداوندی کا دروازہ کسی ایک قوم یا ایک ملک ہی پر نہین کھولا گیا ہے۔ علاوہ ازین زبان کی قدرت بھی اہل زبان ہی کا خاصہ نہین۔ روزمرہ مین دوسری زبان والا اہل زبان کا مقابلہ نہین کر سکتا۔ مگر شاعرانہ زبان، یا لٹریچر ایسی چیز ہے۔ کہ ایک زباندان اہل زبان سے فوقیت حاصل کر سکتا ہے۔ مولانا آصفی جنکی پرورش ایرانی گود مین ہوئی، زباندانی اور تخیل دونون مین فارسی کے حریف ہین۔

عرفی — شاید از گلبن صفت بر گلشن از فیض ہوا — بے نسیم زخمۂ مطرب ز سازِ بزمِ عیش
پردہ ہائے عنکبوت انگیز و از ہر تار گل — جائے نغمہ، ہمچو شاخِ گل، چکد از تار گل — آصفی
گر ہمی داند کہ تاراجِ خزانی در پے است — گر چنین باشد رواجِ سکۂ فصلِ بہار
از چہ می نازد بہ مشتِ درہم و دینار گل — زر گران ریزند، جائے درہم و دینار گل

یہان بھی عرفی، بہاریہ تشبیب کا حسن کھو بیٹھا۔ وہ بھول کر فہمائش کرتا ہے۔ کہ جب خزان کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ تو مٹھی بھر چاندی سونے پر گھمنڈ کرنا عبث ہے ناصح کیسا ہی مشفق کیون نہو قبولیت سے کوسون دور رہتا ہے۔ آصفی فرماتے ہین "اگر شاہنشاہ بہادر کا یہی دور دورہ رہا۔ اور قلمرو فطرت مین اسی شان و شکوہ سے اسکا سکہ چلتا رہا تو اب کوئی دم جاتا ہے جو تم سن لوگے کہ سنار روپے اور اشرفیاں ڈھال رہا تھا یکایک سانچون مین سے سرخ و سپید پھول جھڑنے لگے" اشرفی اور روپیہ پر پھول خود ہی بنے ہوتے ہین۔ ان کو سانچون مین سے نکلتے دیکھکر پھول جان لینا بالکل قرین قیاس ہے۔

عرفی — مغز عالم را معطر کرد، گویا میکند — سایۂ ہر گل کہ می خندد، بود یا قوت خیز — آصفی
از شمیم خلق داور شمۂ اظہار گل — رنگِ ہر برگے کہ می بالد، کند اظہار گل

عرفی نے یہان سے ممدوح کی طرف گریز کی ہے۔ اس لئے تقابل نا انصافی ہے۔ صرف یہ دیکھو۔ کہ آصفی نے کس خوبی سے یہ قافیہ نظم کیا ہے۔ سرخ پھول کے سایہ سے یاقوت پیدا ہونا کیسا خوبصورت مبالغہ۔ اور ہر ہر پتے کے رنگ سے پھول ظاہر ہونا۔ کسقدر نادر تخیل ہے۔ گویا پھول اور پتون کا رنگ ما فوق العادت ہے۔

فسانہ طویل ہو گیا۔ آصفی کی تشبیب کے دو چار شعر اور سن لو

شہر بند گلشنِ دہر ہست رنگین عالمی — نغمۂ بلبل شود در کوچۂ منقار گل

"دنیا کی رنگینی حد سے گذر گئی۔ اب یہ عالم ہے۔ کہ بلبل کی چونچ سے نغمون کے بجائے پھول جھڑتے ہین" ہماری باتون کو لوگ عام طور پر پھول کہتے ہین۔ موسم بہار مین رنگینی عالم پر چھائی ہوتی ہے اس سے مجاز نے حقیقت کی صورت اختیار کرلی ہے۔

سنگ از فیضِ نمو باشد برنگِ گل زمین — لالہ آسا، سر زند از صخرۂ کہسار گل
گر بیفشاند بہاران دامنِ خود بر ہوا — در نظر آید، سراپا گنبدِ دوار گل
نکہتِ گل، کارِ انفاسِ مسیحا می کند — گر بیفشاند کسے بر بسترِ بیمار گل

"عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کر دیتے تھے" "قم باذن اللہ" کہا اور مردہ کلمہ پڑھکر اٹھ بیٹھا یہان پھولون کی خوشبو کا یہ حال ہے کہ اگر بیمار کے بستر پر دو چار پھول ڈالدو۔ تو چنگا ہو جائے" خوشبو روح کو فرحت دیتی ہے۔ بیمار کی روح متالم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے وہ چیز دوا ہے۔ جو اسے قوی کردے۔ پھول خوشبودار ہوتا ہے اور دماغ کو تازگی بخشتا ہے۔ اسلئے آصفی کا ادعا عین حقیقت ہے۔ پھر مسیحا کا ادب بھی ملحوظ ہے۔ وہ مردہ زندہ کرتے تھے۔ یہ بیمار کو تندرست بناتا ہے

بنگرد اشکالِ نیرنگِ بہاران در زمین — گر نہد اعمیٰ بچشمِ خویش، عینک وار گل

فلسفہ کا دعوی ہے۔ کہ ذراتِ خاک، خوردبین سے معائنہ کئے جائین تو بیل بوٹے نظر آئینگے۔ گویا زمین بہار کی نیرنگیون سے پر ہے۔ شاعر اس فلسفہ کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن شاعرانہ زبان مین۔ کہتا ہے۔

"اگر بہار کی بوقلمونی دیکھنا چاہتے ہو تو خوردبین کی کیا ضرورت ہے۔ پھول کو آنکھ پر لگا کر وہ کچھ معائنہ کر لو۔ جو مصنوعی آلات نہین دکھا سکتے"

خیام کا فلسفہ ہے۔ کہ ہر پھول "لالہ روئے بودہ ست" اور "زخاک لالہ روے رستہ است" بالفاظ دیگر پھول مردہ حسینون کی یاد دلاتا ہے۔ آصفی کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن فرق یہ ہے۔ کہ وہ بوالہوسی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ فطرت کے سربستہ اسرار بتاتے ہین۔

گر گلستان در بہاران عرصۂ محشر شود — فتنۂ محشر فشاند بر سر اشرار گل
در نسیم این جہان، در عالمِ عقبیٰ رود — دوزخی چیند بدستِ آرزو از نار گل
قطرۂ شبنم زجوشِ رنگِ گل طوفانیست — چون محیط از فیضِ خود، گردید طوفان کار گل

غنچۂ گوئی گریبانِ بنان، از نو بہار		آنقدر بر خویشتن بالد شود یکبار گل

۲- عرفی کا دوسرا بہاریہ قصیدہ حمل- حلل وغیرہ قوافی مین ہے۔ آصفی نے مختلف اوقات مین تین قصیدے اس زمین مین لکھے ہین۔ ایک نعتیہ ہے۔ دوسرا حضور نظام دکن کی مدح مین ہے۔ اور تیسرا حضور والی رامپور کی ستائش مین ہے۔ حضور نظام سے خطاب کرتے ہین۔

خسروا عرش جنابا، بہ سخن دادرسا!		یافت معراج ز مدحت، چہ قصاید چہ غزل
اندرین عہد نشان یافتہ در ملکِ سخن		ہجو اعیان ز توہر معنیٔ از شانِ اجل
للہ الحمد کہ ہر گوہر معنے خوش آب		ریخت نیسانِ رگِ خامہ بما قل و دل
نہ سد عرفی و طالب بقفائے گردش		ادہم خامۂ من گرم عنان شد زازل

بظاہر یہ خیال ہوگا۔ کہ ان کا یہ دعویٰ کہ عرفی و طالب میرے قلم کی گرد کو بھی نہین پہنچ سکتے محض ادعا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ حقیقت ہے۔ مولانا نے اپنے خط مین ان قصائد کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے لکھتے ہین۔

"ان قصائد مین ۳ قصیدے ایک ہی زمین ہین۔ ایک نعتِ رسالتمآب علیہ السلام مین، دوسرا بمدحِ نواب حامد علیخان صاحب بہادر رئیس رامپور، تیسرا بمدحِ نواب میر عثمان علیخان بہادر فرمانروء دکن ہے۔ تذکرہ نویسی مین ایسے مقامات پر شاعر کی تلاش اور زورِ طبیعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ خاکسار نے جن نامور شعرا کی تتبع کی تصریح کی ہے۔ اکثر قصائد انہی کی روش پر لکھے ہین۔ ملاحظہ کے وقت یہ امر منکشف ہو سکے گا۔ کہ کلام کے مراتب کیا ہین۔"

غالبًا اس زمین مین پہلا قصیدہ انوری کا ہے۔ لیکن ہم اسکو چھوڑ دین گے۔ صرف عرفی سے مقابلہ کرنا ہے۔ کیونکہ آصفی نے گذشتہ قصیدہ اور یہ اسی کی روش پر لکھے ہین۔ مراتب کلام پر غور کرنا سلیم طبیعتون پر موقوف ہے۔ سخن شناس کبھی دھوکہ نہین کھا سکتا غالب کہہ چکا ہے۔ کہ

غالب نخورد چرخ فریب، ار ہزار بار		گفتم بروزگار، سخنور چو من بسے ست

ایران مین بہار تقریبًا بیساکھ کے مہینہ مین شروع ہوتی ہے اس ماہ کا نام فروردین ہے علم ہیئت کی رو سے اس ماہ مین آفتاب برج حمل مین اقامت گزین ہوتا ہے۔ نوروز اس داخلہ کا پہلا دن ہے ایران مین یہ دن تیوہار ہے گھر گھر جشن منائے جاتے ہین ساغر عیش چھلکتے ہین۔ اور پیر و جوان مست و سرشار نظر آتے ہین۔

ہندوستان مین، فارسی سلطنت اور سلطنت کے ساتھ رسوم و رواج داخل ہوئے تو نوروز بھی ساتھ آیا شعرا نے بہاریہ مین، آفتاب کا برج حمل مین داخلہ، صلائے عیش و نشاط، لشکر فروردین کا عمل، اور ماہ دی کے اثر کے زوال وغیرہ کو لکھنا شروع کر دیا۔ غالبًا سب سے پہلے انوری نے لامیہ مین یہ مضمون لکھا۔ اسکے بعد عرفی کی نوبت آئی۔ اور اس نے اپنی اعجاز نگاری سے

مہر ثبت کردی - کہتا ہے -

چہرہ پرداز جہان، رخت کشد چون بحمل — شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

موسم بہار شروع ہوتے ہی، رات گھٹنے لگتی ہے - اور دن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے عرفی اسی نقطہ سے قصیدہ کی ابتدا کرتا ہے - فن مصوری کی اصطلاح مین، نیم رخ وہ تصویر ہے جس مین صاحب تصویر کو ایک پہلو سے دکھایا جائے یعنی اسکی نگاہ دیکھنے والے کی طرف ہونیکے بجائے داہنے یا بائین جانب ہو - اس حالت مین تصویر کی ایک آنکھ اور ایک رخسار دکھائی دیتا ہے - دوسرا پوشیدہ ہو جاتا ہے - مستقبل (بہ فتح با) وہ تصویر ہے جس مین صاحب تصویر کو اس طرح دکھایا گیا ہے - گویا وہ سامنے کو دیکھ رہا ہے - اس حالت مین دونون آنکھین اور دونون گال نمایان ہوتے ہین - اور تصویر مکمل چہرہ دکھاتی ہے - عرفی نے ان دونون اصطلاحون کو استعمال کیا ہے - اسکے ان شعر دن سے رات کا گھٹنا، اور دن کا بڑھنا ظاہر ہوتا ہے

چہرہ پرداز جہان، رخت کشد چون بحمل — شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

چشم شب، تنگ شود دائرۂ مردمکش — دیدۂ روز بتدریج برآید احول

مردم دیدۂ آن تراکہ دگر ما بصفت — بیضۂ دیدۂ این روغن دو بیاہ بقل

خون سودائی شب زاید و فاسد گردد — لاجرم نشتر روزش بکشاید اکحل

روز چون کرم بریشم ہمہ بر خویش تند — ہرچہ شب رد کند از معدہ چو زنبور عسل

بعد ازین ترجمۂ روز شود صاحب کل — بعد ازین شب بہ نگین ثبت کند عبد قلل

بجائے خود یہ مفہوم خوب ہے - لیکن عرفی کی زبان سے ہے - اسلئے خوب تر ہو گیا ہے - آصفی ایوان حمل کی آراستگی سے قصیدہ کی ابتدا کرتے ہیں

"آفتاب کیلئے، فلک نے ایوان حمل کو آراستہ کیا زہرہ، عطارد، مریخ وغیرہ مصاحب و ملازم اپنے فرائض کی انجام دہی مین مصروف ہوئے موتیون کی جگہ تارے، نچھاور کرنے کے لئے، چاند کی کشتی مین بھر دیئے اب وہ وقت اور وہ گھڑی مبارک و سعد ہو گی - جب شاہ خاور تخت جلال پر رونق افروز ہوگا - سارے عالم کی بگڑی کاری بنیگی - خزان کا عمل اٹھ جائیگا - اور نامیہ عالم کو آراستہ و پیراستہ کردے گی - دن بڑھنے لگیگا - اور رات گھٹ کر نقطہ کے برابر رہجائے گی - وغیرہ -

اس بزم کو مولانا کے معجز کلام مین دیکھو - عرفی عرفی نہو تا آصفی ہندوستان مین پیدا نہوتے تو بلا خوف تردید ہم یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ روانی، زور، اور تنوع تشبیہات، مین متاخر، متقدم سے بلند ہے فرماتے ہین -

(قصیدہ بمدح والی رامپور خلد اللہ ملکہ)

چرخ آراست، بشان دگر، ایوان حمل — بہر نوروز، از ساز طرب مستقبل

صبحِ نوروزِ طرب، خندہ زد از جیبِ افق — بہ فروغے، کہ بود ہم نفسِ صبحِ ازل
شاہِ خاور، صفتِ جم، ز نشاطِ نوروز — قامتِ خویش، بر آراست بہ زرینہ حلل
خوش خوش آن ساعتِ عشرت کہ نہد پائے جلال — بسریرِ شرفِ دولتِ جاوید حمل
طبقِ ماہ بود پُر بہ گہرہائے نجوم — کہ نثارِ شہِ خاور کند از شانِ اجل
مشتری راز نگاہِ شہِ خاور شانیست — کہ فراتر بودش پایۂ از قدر و محل
ترہاتِ ندما داشتہ بہرام بہ چرخ — بر لبِ زہرہ بود نغمہ باہنگِ غزل
در خمِ چرخ فشردند زیر دینِ انگور — لالہ گون شد ز شرابِ شفقی روئے زحل
پایۂ عزِ عطارد بگزشت از کیوان — کہ گزیدش شہِ خاور بوزیرانہ عمل
آن وزیرے کہ باقبالِ شہی ملک آراست — عاملِ نامیہ را بہرِ عمل خواند اول
از نقایص، بہ طبایع نگزارد عیسی — قوتِ نامیہ کز دے شدہ انقص اکمل
سرِ پانیست بہر ماہیت، از پرتو مہر — قیر کافور شد و عود بہ طبعِ صندل
عودیٔ شب شدہ و دیباجِ مخطط از نور — کہ بود دہر بہ پیرایۂ از تارِ حلل

وزیر نے نامیہ کو بلا کر حکم دیا "ابھی ماہیتِ دہر سے تمام خرابیان دور کر دی جائین" اس نے سب سے پہلے رات سے سیاہی دور کی۔ دو شعر اس مفہوم کے تم نے سن لئے۔ امثلہ و استعارات کی ندرت دیکھو اسی کو دوسرے شعرون مین کس خوبی اور لطافت سے نظم کیا ہے۔

فارسِ دہر، بہ مضمارِ زمانہ بگزید — ز آخورِ خویش یکے ادہم و دیگر ارجل
لیک شد ارجلش از پویہ چنان گرم عنان — کہ شد ادہم چو خرِ سنگ بکہسار وحل

مضمار، گھوڑ دوڑ کا میدان۔ آخور، اصطبل۔ ادہم سیاہ گھوڑا مشکی۔ یہ شب سے استعارہ ہے۔ ارجل وہ گھوڑا جس کا ایک پیر سپید ہو۔ استعارۃً دن۔ فرماتے ہین

"شہسوارِ زمانہ نے، اپنے اصطبل سے دو گھوڑے، ایک مشکی اور ایک ارجل انتخاب کرکے دونون کو گھوڑ دوڑ کے میدان مین جگہ دی مگر ارجل اسقدر تیز رفتار نکلا کہ مشکی اس لنگڑے گدھے کی طرح جو ناہموار زمین پر چل رہا ہو، منہ دیکھتا کا دیکھتا رہگیا۔"

عارضِ زنگیٔ شب، گشت چنان کافوری — کہ شود چشمۂ انوار از و چشمِ زحل
روز، بر دیدۂ حربا، لبِ بیغارہ کشاست — کہ شد از جلوہ پرستاری خورشید احول
آن چنان نقطۂ شب محو شد از صفحۂ دہر — کہ سیاہی نکند باز بچشمِ احول

عرفی نے "دیدۂ روز" کو "احول" قرار دیا تھا۔ احول کو ہر چیز دو نظر آتی ہے۔ اسلئے دن کی آنکھ کے احول ہو جانے سے اسکی زیادتی مراد لی۔ یہ مجاز مرسل ہے۔ آصفی نے یہ قافیہ ان دو شعرون مین باندھا ہے جن مین دوسرا شعر عرفی سے بلند ہے۔ شب کو ایک سیاہ نقطہ فرض کرکے، زمانہ سے اسکو ایسا ناپید کیا۔ کہ بھینگا زائد دیکھنے کے باوجود نہین دیکھ سکتا۔

دستِ خورشید بآئینۂ زنگاریٔ شب　　زدہ با مصقلۂ خطِ شعاعی صیقل

سورج نے رات کے تاریک آئینہ کو اپنے کرن کے آلۂ صیقل سے سپید براق کر دیا

اب ہم عرفی اور آصفی کے ہمقافیہ اشعار پہلو بہ پہلو لکھ کر دونون کے مرتبۂ کلام کو نمایان کرتے ہین فیصلہ ناظرین کی سلامت ذوق پر موقوف ہے۔

عرفی
وقت آن ست کنون کز اثرِ عیش و نشاط
مے نگنجد بصراحی و صراحی بہ بغل

آصفی
غنچہ و گل ز شرابے کہ بجامِ ابر ست
مست آید بچمن، ساغر و مینا بہ بغل

عرفی یہ کہنا چاہتا ہے۔ کہ "عیش و نشاط کا موسم ہے کوئی کس طرح ضبط کرے۔ شراب خود صراحی سے نکلی پڑتی ہے۔ اور پی لینے کی پنہان دعوت دیتی ہے"

آصفی نے مفہوم تو یہی لکھا۔ مگر جدت ادا سے شعر کو بہت لطیف بنا دیا۔ جب تک عالم پر خشکی کا سکہ روان رہتا ہے۔ سبزہ گل پژمردہ نظر آتے ہین۔ اور ہر سمت مردنی سی چھائی ہوتی ہے لیکن جہان ابر اٹھا۔ اور بارش شروع ہوئی۔ دفعۃً تمام نباتاتی مخلوق مین زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور ٹھنڈی ٹھنڈی فضا مین غنچہ و گل ناچنے لگتے ہین۔ شراب کا بھی تقریباً یہی اثر ہے۔ ادھر حلق سے اتری، ادھر جذبات زندہ ہو گئے۔ اور انسان جھومنے لگا۔ آصفی بارش کے پانی کو شراب قرار دیکر فرماتے ہین۔

"یہ اس جام ابر ہی کی شراب کا اثر ہے، کہ چمن مین کلی، اور پھول، جھومتے ہوئے، ساغر و مینا بغل مین دبائے رقصان نظر آتے ہین"

غنچہ و گل کا پیالہ اور صراحی بغل مین لئے آنا کسقدر لطیف ہے۔ غنچہ و گل کی بناوٹ سے پہلی نظر مین آنکھ اسے حقیقت مان لیتی ہے۔

دیکھو۔ عرفی نے جو سعی کی تھی۔ وہ آصفی کے قلم سے بار آور ہوئی۔ اسی مفہوم کو دوسری جگہ مصحفی نے اس طرح نظم کیا ہے۔

غنچۂ گل، کہ بود طفل بگہوارۂ شاخ　　در قماطے کہ قماشش نبود جز مخمل
میکند شوخی و یک لحظہ نمی آساید　　دایۂ باد کشد تنگ زمہرش بہ بغل

کلی ایک ننھا منھا سا پیارا بچہ ہے۔ جو مخمل کے بچھونے پر پڑا ہوا مچل رہا ہے۔ ہوا اسکی دایہ ہے۔ ہٹ دیکھکر اسے بہلاتی ہے اور سینہ سے چمٹا لیتی ہے، کہ شاید اسی صورت سے چھپ جائے

بغل کا قافیہ عرفی نے پھر نظم کیا ہے۔

عرفی

جو رگیسو بہ میان بستہ درآید بہ چمن — دشت را لالہ در یحانست بدامان و کنار

آصفی

تا لبالب کند از سنبل و گل جیب و بغل — گلستان را گل و نسرین ست، بہ جیب و بغل

آصفی کا شعر عرفی کے شعر سے لطیف تر ہے۔ "دامان و کنار" اور "جیب و بغل" کا سنگھم لطافت دو بالا کر رہے۔ آصفی نے یہ قافیہ دو جگہ اور نظم کیا ہے۔ فرماتے ہین۔

گر بگلزار بہ مجمر بفشانند سپند — می شود دود چو سنبل بہوا دست و بغل

چمن از سبزہ و سنبل قفسے را ماند — کہ در و سبزک و طوطی ست بہم دست و بغل

سنبل سیاہ رنگ اور پریشان مو ہوتا ہے۔ دہوان بھی جب انگیٹھی سے بلند ہو کر فضا مین سفر کرتا ہے۔ تو سیاہ اور پریشان سا ہوتا ہے۔ شاعر کا تخیل موسم گل مین، دھوین کو سنبل سمجھتا ہے۔ اور مدعی ہے۔ کہ سنبل دراصل دہوان تھا۔ فیض بہار سے پھول کی شکل اختیار کر کے ہوا سے کھیل رہا ہے۔

دوسرا شعر "دست و بغل" کی بہترین توجیہ ہے چڑیا گھر مین تم نے دیکھا ہو گا۔ ایک ایک پنجرے مین دس دس بیس بیس مختلف رنگ کی چڑیان بند ہوتی ہین۔ کوئی سبز ہوتی ہے۔ کوئی خاکی، کوئی سپید وغیرہ۔ چمن مین بھی ایک ایک قطعہ مین متعدد رنگ کے پھول اور کلیان لگی ہوتی ہین۔ شاعر چمن کو قفس سے تشبیہ دیتا ہے۔ جہان سنبل اور سبزہ ایسے باہم گلے مین ہاتھ ڈالے بیٹھے ہین۔ جیسے پنجرے مین طوطا اور سبزک پاس پاس بیٹھے نظر آئین

عرفی

نامیہ، چون چمنِ سبزہ، دہد انمامش — ناقص از کارگہ آرند بباغ ار مخمل

آصفی

قطرۂ شبنم غلطان، بہ بساط سبزہ — درِ غلطان بہ نماید بہ بساطِ مخمل

زا ہتزازِ طرب آہنگئ سامانِ بہار — بر ہوا می فگند، سبزہ، کلاہِ مخمل

عرفی کا شعر فلک پیما ہے وہ نامیہ کی دستگاہِ کرم کو اسدرجہ متاثر بتاتا ہے کہ اگر کارخانہ سے آدھی بنی آدھی بے بنی مخمل اٹھا لائین اور چمن مین ڈالدین۔ تو نامیہ جہان سبزہ کو پرورش کرے مخمل کو بھی مکمل کردے یہ نہایت لطیف مبالغہ ہے۔ لیکن آصفی نے قافیہ کی بندش بہار یہ اسلوب سے کی ہے۔ پہلا شعر صاف ہے۔ گھانس ہری ہری مخمل ہی اچھی معلوم ہوتی ہے اسپر اوس کے قطرے صبح کے وقت آفتاب کی نوجوان کرنون کے زیر عکس موتی سے بکھرے نظر آتے ہین۔ یہ تشبیہ عام فہم اور منظر کی سچی تصویر ہے۔ دوسرا شعر اہتزاز و طرب کے پہلو کو نمایان کرتا ہے۔

جوش اور وفور جوش مین۔ انسان قابو مین نہین رہتا اس کیفیت کے اظہار کے لئے اس سے بلا اختیار کچھ نئی حرکتین سرزد ہوتی ہین۔ از انجملہ ہوا مین ٹوپیان اچھالتا ہے ۔ موسم بہار مین سبزہ ہوا مین لہلہاتا ہوتا ہے۔ تو اس کا پھول یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹوپی ہوا مین اچھالی جا رہی ہے۔ شاعر اس منظر کو شاعرانہ زبان مین بالتوجیہ بیان کرتا ہے۔

"سبزہ، چمن مین کیون مست و سرشار نظر آتا ہے؟ اسلئے کہ چارون طرف عیش و عشرت کا سامان مہیا کر کے بہار نے نوجوانان چمن کو دعوت دی ہے۔ کہ دادِ عیش و نشاط دین۔ خزان کے ستم کے بعد یہ پہلا موقع ہے۔ کہ ایسا سہانا بچتا عیش میسر ہوا ہے۔ سبزہ اس خوشی مین آپے سے باہر ہوگیا ہے اور بلا ارادہ ہوا مین ٹوپیان اچھال اچھال کر، خوشی کے جوش کو گھٹا رہا ہے"

عرفی — فیض نیرنگِ بہاریست در آتش زہوا / عرق از شبنمِ گل داغ شود بر رخِ حور

آصفی — بالِ طاؤس کند جلوہ ز دودِ منقل / اخگر از فیضِ ہوا، سبز شود در منقل

عرفی اور آصفی دونون ہوا کو معجز اثر مانتے ہین۔ لیکن عرفی اس مین مبالغہ سے کام لیتا ہے اور ہوا کے اثر سے چنگاریون کو سرسبز بتاتا ہے گو بات خوب ہے لیکن صرف بات ہے۔ آصفی قافیہ کو حقیقت نما بنانا چاہتے ہین، شعر کو بغور پڑھو متخیلہ نگاہون کے سامنے، نہایت حسین منظر پیش کرتی ہے

"انگیٹھی مین کوئلہ روشن کیا جائے، تو شعلے اور دھوان ملے جلے باہر نکلتے ہین۔ دھوین کا رنگ یون تو سیاہ سا ہوتا ہے، لیکن ابر مین، مائل بہ سپیدی نظر آتا ہے، چونکہ ابر مین فضا تاریک ہوتی ہے، اسلئے اس سیاہی اور سپیدی سے ایک دوسرا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ہلکا نیلا یا فیروزی کہا جا سکتا ہے۔ شعلہ عموماً سرخ رنگ معلوم ہوتا ہے، لیکن اکثر اوقات بلند ہوتے وقت اور کبھی کبھی ناپید ہونے سے ذرا پہلے، نیلا یا اودا ہو جاتا ہے۔ یہ منظر بالکل عام ہے۔ شاعر بھی دیکھتا ہے، لیکن نگاہ شاعرانہ ہے اسلئے وہ اس سیاہی سفیدی، نیلاہٹ، سرخی، اور اوداہٹ کو یکجا ہوا مین اڑتا دیکھکر، اُسے طاؤس سمجھتا ہے۔

موسم ہے بہار کا۔ ہوا کا فیض نیرنگی اسکے تخیل پر چھایا ہوا ہے اس لئے اسکا خیال فوراً یقین سے بدل جاتا ہے، وہ یہی طے کرتا ہے کہ فیض ہوا ہے، دہوان اور شعلے، جاندار مور بن گئے ہین یہی مفہوم دوسری جگہ اس طرح نظم کیا ہے۔

تازگی را سر و برگیست بہ گلشن ز سحاب / خرمی را سر و سامانِ دگر از جدول

غنچہ، اخگر شود و سبزہ شود خاکستر / موجِ گل، شعلۂ آتش زہوائے منقل

عرفی — بسکہ ہر خار گلے کردہ عجب نیست اگر / تلخکامی کہ کشد ساغرِ زہرابۂ غم

آصفی — یاسمین بشگفد از نشترِ زنبورِ عسل / بحلاوت ز لبش جوش زند موجِ عسل

• عرفی کا شعر یونہی بہار در دامن ہے لیکن "عجب نیست" سے لطف معنی اور زائد ہو گیا۔ مولانا کیفِ بہار کو کائنات مین اس درجہ موثر بتاتے ہین۔ کہ وہ اعراض و جواہر کی طبیعت تک بدل سکتا ہے۔ اگر موسمِ گل مین کوئی تلخ کام، غم کا زہر آلود پیالہ پی لے۔ تو شیر بہار زہر کی تلخی کو حلاوت مین تبدیل کردے اور پینے والے کے ہونٹون سے، شہد کا دریا موجین مارتا نظر آئے۔ یہ صرف مبالغہ ہے۔ اگر کچھ حقیقت ہے تو اتنی کہ موسم بہار مین طبیعت کچھ بشاش ہو جاتی ہے، اور انسان کو خود بخود سرور سا آنے لگتا ہے، اسیکو مولانا نے اسقدر بڑھا دیا ہے

عرفی — کز پئے بوسہ دو لب راہم آرد جدول / بسکہ از سنبل و گل یافت صفا نزدیکیست

عرفی کا مقصد یہ ہے۔ کہ نہر کے دونون کنارون پر پھولون سے لدے درخت کھڑے ہین۔ جب ہوا چلتی ہے۔ ایک ڈھیر کا ڈھیر دونون طرف نہر مین جا پڑتا ہے۔ یہ روزمرہ کی صورت حال یہان تک پہنچ چکی ہے۔ کہ اب دو چار ہی دن مین، پھولون کا ایک کنارہ دوسرے سے ملجائیگا۔ اور یہ معلوم ہوگا۔ کہ نہر نے اپنے دونون ہونٹ بند کرلیے ہین۔ اس مین شاعر نے "از پے بوسہ" اور اضافہ کر دیا۔ جو عرفی کے منہ سے ضرور اچھا معلوم ہوتا ہے۔

مولانا نے اس قصیدہ مین تین جگہ یہ قافیہ نظم کیا ہے۔ فرماتے ہین

سبز از فیضِ بہار یست چو برگِ خرم | برگِ خشکے کہ فتادہ زخزان در جدول
تازگی را سرد بر گیست بہ گلشن زسحاب | خرمی را سرد سامانِ دگر از جدول

یہ شعر انوری وغیرہ کی زبان سے ہوتے تو اچھے معلوم ہوتے۔ صرف بہار کی تازگی اور خرمی کا اثبات مقصود ہے۔ جہان اوپر سے ابر درختون پر زندگی برساتا ہے۔ سطح زمین پر نہر تازگی کی رگین ادھر ادھر پھیلا دیتی ہے۔ پانی پر درختون کی سرسبزی اور شادابی کا مدار ہے۔ اسلئے نہر خرمی کا سرد سامان ہے۔ اور ضرور ہے۔ پھر خشک پتہ نہر مین جا پڑے۔ اور خرم نظر آنے لگے۔ تو تعجب کیا ہے

مگر تیسرے شعر مین آصفی نے قافیہ اپنا کرلیا۔ آسمان پر دھنک برسات کا ایک عام منظر ہے۔ بچہ بچہ واقف ہے۔ شاعرانہ الفاظ مین کہا جائے تو یہ جی چاہتا ہے۔ کہ کسی طرح اُڑ کر اس مین جا بیٹھیں موسم بہار، ہندوستان مین، برسات کا نام ہے۔ ہر چہار طرف پھول ہی پھول ہوتے ہین۔ ہوا چلتی ہے۔ اور پھول رقص کرتے ہین، تو رنگ موجین مارتا نظر آتا ہے۔ ہر چمک دمک والی شے دوسری شے کو اپنے اندر دکھاتی ہے۔ بارش نے گرد و غبار صاف کرکے آسمان کو آئینہ کی طرح روشن کردیا ہے۔ اسلئے نظر اٹھا کر دیکھیے تو ایک عجیب تماشہ نگاہون کو جذب کیے لیتا ہے۔ آسمان کی نگارین سطح پر پھولون کی رنگین موجین متحرک، یہ معلوم ہوتی ہین۔ کہ قوسِ قزح کی طرح رنگ برنگ کے خط ہین۔ جو دست بگریبان ہین۔ یہ ہے شاعری کا وہ مقام جہان تک مصور کا تخیل بھی رسا نہین۔ فرماتے ہین۔

عکسِ موجِ گل و لالہ صفتِ قوسِ قزح | می کشد بر ورقِ چرخ نگارین جدول

عرفی:
شاید، او عذرِ پرستار پذیرد بحشر | بسکہ برداشت صفا، صورتِ عزّی دہبل

آصفی:
محفلِ باغ زبتخانہ آذین کم نیست | کبریائی گلان نیست کم از لات دہبل

عرفی کا شعر حدِ اعجاز کو پہنچ گیا ہے۔ اور اسکے اس شعر کا تو جواب ممکن نہین

انبساطیست درین فصل، کہ بے کاوشِ عقل | شاید، ار باز شود عقدۂ ما لا ینحل

عرفی:
لیلےٰ از گوشۂ محمل بنمود ست جمال | یا بود لالہ کہ سر بر زدہ از گوشۂ تل

آصفی:
تودہ تودہ زریاحین ست بصحرا و دمن | پشتہ پشتہ بود از لالہ بکوہ و سرِ تل

دشت و گلزار و دمن از گل و نسرین و سمن
چمنے در چمنے دارد و تل بر سرِ تل
آصفی

سدرہ و طوبیٰ (جنت) ز بہ چمن سر زدہ اند
یا کہ شمشاد و سہی سرو دمیدہ سرِ تل

آصفی کا تیسرا شعر عرفی کے برابر ہے۔ مگر پہلے دو شعر اعجاز کی حد تک پہنچ گئے ہین۔ زور، اور روانئی، و جوش مین، عرفی کے ہان مخصوص اشعار ہونگے، جو ان کے ہم پلہ ہون۔ تودہ تودہ۔ پشتہ پشتہ، چمنے در چمنے، اور تل بر سرِ تل، جدتِ تراکیب کی نادر مثالین ہین۔

قطعہ مین پھر مولانا اس قافیہ کو نظم کرتے ہین۔

خوشۂ سنبلہ، خرمنِ ماہ کامل
حظِ دہقانِ فلک بود ز اجناسِ اقل
عجبے نیست کہ از فیضِ ربیعی گردد
کشتِ او سبزہ و بر دمند بصد خرمن و تل

ابھی تک دہقانِ فلک کو جو کچھ فصل سے حاصل ہوا تھا۔ وہ سنبلہ کے خوشے، اور چاند کا کھلیان تھا۔ اب ربیع کی فصل آ پہنچی۔ کچھ عجب نہین۔ اگر اس کے کھیت مین ایک کی جگہ ہزارون خرمن اناج پیدا ہو جائے۔

توازن نے ہمین کہین سے کہین پہنچا دیا۔ اب ہم دونون کی غزلین پہلو بہ پہلو نقل کرتے ہین توازن تم خود کر لو۔

عرفی	آصفی
اے شب ہجر تو، در دیدۂ خورشید سبل	اے جمالِ تو بہارِ چمنستانِ ازل
چشمِ روح القدس از شوقِ جمالت احول	جلوۂ تست بہشتِ طرب مستقبل
مژہ برہم نزدم دوش کہ در بیتِ حزن	غمِ ہم چشمیٔ دشمن بعدم باز کشد
تا صباحم درِ دل کوفت تمنائے اجل	نکنم پیش توزین رشک تمنائے اجل
از دل و دامنِ آلودہ درِ یاس مزن	کبریائی تو اے آفتِ دین کرد مگر
دجلۂ عفو بانیہا نشود مستعمل	کافرین جلوہ بہ بیت الصنمِ لات و ہبل
بعذابِ ابدی، دل نگذارد غمِ دوست	لذتِ دردِ تو در سینۂ حسرت ناسور
این نہ مویست کز آتش بکند ترکِ عسل	زند آن جوش کہ از دل برود ذوقِ عسل
لذتِ تلخیٔ دردِ تو اگر شرح دہم	زہرِ ناکامیٔ وصلِ تو ز عمرے نوشم
نوشدارو بفرستم بہ سلامِ حنظل	نوش گردد بلبم تلخیٔ طعمِ حنظل

عرفی

چند ازین آتشِ خس پوش برانگیزی دود
اے بجوش جوہری آئینۂ حسنِ تو شل

آصفی

غیرتِ حسن بآئینہ ازان رو ندہد
کہ شود چشمِ تماشا زخیالش احول

بہ غیوری نگزارد بگلستان قدمے
کہ نبوسد کفِ پا سبزہ چو خوابِ مخمل

سیلِ حسنِ تو بناے دلِ ما کرد خراب
ازچہ در خانۂ آئینہ نیفتاد خلل

از پئے جورِ تو بینیم ز ایام جفا
خوے افلاک بخوے تو مگر گشت بدل

باغبان خون شدم از شیرۂ بیدردی تو
ندہی رخصتِ فریاد نہ آہنگِ غزل

مولانا کے اس قصیدہ کی تشبیب کے اکثر اشعار تم پڑھ چکے۔ چونکہ وہ جوشِ مسابقت کے ممنون ہیں۔ اس لئے بلند ہیں دو چار شعر وہ بھی سن لو۔ جو زیر بارِ تقابل نہیں۔ کسی آئندہ فرصت میں باقی دونوں قصیدوں سے مقابلہ و موازنہ کیا جائیگا۔

شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ میخیزد

بسکہ از تربیتِ فیضِ نگاہِ نیسان
مادۂ طبع بخارست بکہسار و تلل

عجبے نیست کہ ہمچون صدفِ گوہر خیز
جائے یاقوت گہر زا شود اتلال و جبل

ابر سرچشمہ کشادہ ست ز شیرینیٔ عیش
موجۂ شہد زند در ریشۂ تخمِ حنظل

گوہرین تاج نہادہ بسر خردِ گل
دستِ اقبالِ بہاران بگزین گوہرِ طل

بسکہ از فیضِ لطافت بمشامی بالد
عینکِ دیدۂ نرگس شود اوراقِ بصل

بسکہ نیرنگِ بہارست نگزارد دمن
ہر نہالے زدہ ہمچون دمِ طاؤس کلل

بہ تمنائی بقولاتِ ربیعی بفلک
فربہی مفت ببالد بہ تنِ جدی و حمل

نامیہ ہر نقشے رنگِ بہار آمیزد
ہیکرِ نیم رخِ غنچہ شود مستقبل

عجبے نیست کہ از تربیتِ فیضِ بہار
چون رگِ لالہ، رگِ شعلہ شود در مشعل

سنگ از لطفِ ہوا وضعِ نزاکت دارد
کارگاہے دگر از شیشہ گری گشت جبل

سرخیٔ رنگ و سیاہی بدلِ لالہ بود
ہمچو آن شعلہ کہ بر دود بود در مشعل

دشت و کہسار، شبستانِ فلک شد از نور
سر زدہ لالہ چو خورشید درخشان زگل

چشم بکشا بشکوہ چمن د کوہ وتلل — شد ریا حین کدہ از صنعتِ صناعِ ازل
لعبتانِ گل و لالہ ز پس پردۂ خاک — سر بر آوردہ بصد ناز چو خوبانِ ختل
تازہ چون لالۂ نو رستہ بود شعلہ لبسنگ — سبز چون دانۂ بالیدہ شرر ہا بہ جبل
آبِ سرچشمۂ خورشید بود سبز مدام — افگند عکس اگر سبزۂ کہسار و تلل
سبز شد آئینۂ آب چنان در انہار — نبرد موجِ صبا زنگ بزدرِ صیقل
گر نسیم سحری سوے فلک رد آرد — می نماید بکواکب چو گلِ باغ عمل
طبعِ صیاد چنان طرحِ صفا ریختہ است — کہ شود چینِ جبینِ چمنش، دامِ حیل
گل کند چارۂ دردش بہ مسیحا نفسی — بلبلے نالہ کشد گر بگلستان ز علل
گلرخان گر بگلِ تازہ مژہ بکشا نید — موئے مژگان برگِ گل بنما یند بدل
از گل افشانی و از لالہ دمانی بہار — گلستان دشت و دمن، لالہ ستان کوہ وتلل
آنچنان عہد شکستہ است خزان باز نماند — از پئے عہد بہاران غمِ تحویل و بدل
رنگ بخشد برخِ شاہدِ امید جہان — بادۂ عشرتِ حال و طربِ مستقبل

(باقی) **خان امتیاز علی عرشی** (رامپوری)

انتخاب نگارستان

(یعنی حضرت نیاز کے ادبی مضامین کا مجموعہ)

آگرہ یونیورسٹی کے درجہ بی۔اے میں اردو ٹکسٹ بک کی حیثیت سے داخل ہے۔ میرٹھ، آگرہ، کانپور وغیرہ میں جہاں کے کالج آگرہ یونیورسٹی سے متعلق ہیں، نصاب کی کتابیں فراہم کرنے والے، اگر ابھی سے آرڈر دینگے تو اُن کے ساتھ خاص رعایت ہوگی۔ کتاب زیر طبع ہے۔

منیجر نگار۔ لکھنؤ

وزیر حربیہ کی پرراز زندگی

وائی کونٹ بانسلے، وزیر جنگ اپنی لیموزین یعنی بند رولس (موٹر کار) کے سامنے کچھ دیر کھڑے رہ کر سگار جلاتے رہے' خادم موٹر کا دروازہ کھولے برہنہ سر مودب کھڑا تھا، جب سگار اچھی طرح روشن ہو گیا تو وائی کونٹ نے پہرے کے سپاہی کی طرف دیکھکر اس کے فوجی سلام کا سر کے اشارے سے جواب دیا اور سگار کا ڈبہ جیب میں رکھتے ہوے موٹر کے اندر بیٹھ گئے' خادم نے نرم کھال کا قیمتی کمل اُن کے گھٹنوں پر ڈال کر ٹانگوں کے گرد لپیٹ دیا' کاغذات کا دستی چرمی بکس قرینے سے سامنے براکٹ پر رکھدیا' اور دروازہ بند کر کے شوفر کے ساتھ بیٹھ گیا' موٹر پارلیمنٹ یارڈ سے نکل کر آہستہ آہستہ داہنی طرف سے مڑا' اور وسٹ منسٹر برج سے گزرتا ہوا دکھن کی طرف چلا' نومبر کا مہینہ تھا اور سات بجے شام کا وقت، غضب کی سردی پڑ رہی تھی اور ہر طرف کہر چھایا ہوا تھا' اور ایسا سخت کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا' سڑکوں پر آمد و رفت گویا بند تھی، صرف چند موٹریں اپنے لیمپوں کی تیز روشنی ڈالتی ہوئی اور ہارن بجاتی ہوئی آہستہ آہستہ ادھر اُدھر جا رہی تھی' سڑکوں کی روشنی بالکل پھیکی پڑ گئی تھی، کہرے کی وجہ سے سانس لینا دشوار تھا اور ہلکی ہلکی بارش سے سڑک پر چلنا مشکل

کچھ دیر تو وائی کونٹ بانسلے بیٹھے سگار پیتے رہے' پھر انھوں نے سامنے براکٹ سے ایک اخبار نکالا اور اسے کھولکر پڑھنے لگے' پہلے ہی صفحہ پر موٹے حرفوں میں یہ سرخی درج تھی

ہاؤس آف کومنس (دارالعوام) میں حیرتناک افشائے راز وزیر جنگ کے خلاف مسٹر انٹونیو
بالشویک ممبر کی تقریر' وزیر جنگ کا غیر تشفی بخش جواب وزارت کی شکست اور اسکے مستعفی ہو جانیکا تیقن

وائی کونٹ بانسلے نے سرخی پڑھنے کے بعد آگے پڑھنا شروع کیا' یہ ایوننگ اسٹار کا ساڑھے پانچ بجے کا پرچہ تھا' سرخی کے آگے لکھا تھا:۔

ہاؤس آف کامنس میں آج چار بجے جب جنرل مارٹن کے خلاف مقدمہ چلائے جانیکا قصہ پیش ہوا تو نائب وزیر جنگ مسٹر گرنڈے نے گورنمنٹ کی طرف سے بیان کیا کہ پشاور کی چھاونی میں جنرل مارٹن جب جنرل افیسر کمانڈنگ تھے تو انھوں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کے موقع پر چھاونی کے کئی انگریز اور ہندوستانی ٹھیکہ داروں سے بہت سا روپیہ قرض لیا تھا اور کئی قیمتی تحفے بھی قبول کئے تھے لیکن یہ رقمیں اصل میں رشوت تھیں، انھیں کی غفلت سے سلاح خانہ سے دو ہزار رائفلیں سرحدی ڈاکو چرا لیگئے اور وائسرائے ہند اور کمانڈر انچیف نے انہی اسباب کی بنا پر کورٹ مارشل کے فیصلے کے بعد جنرل مارٹن کو کمان سے علیحدہ کر دیا تھا"

نائب وزیر جنگ کے اس بیان کے بعد ہر طرف سے سوالات کی بوچھار شروع ہو گئی مگر وہ سبھوں کو یہ کہکر ٹالتے رہے

کہ ابھی صرف اتنی ہی خبریں موصول ہوئی ہیں آئندہ مفصل رپورٹ دونوں مجلسوں کے سامنے پیش کردی جائیگی، فرقہ مخالف کے لیڈر کی تشفی کرتے ہوے انھوں نے اسکا وعدہ کیا کہ آئندہ مجلس میں اس موضوع پر اسکو اظہار راے کا موقع دیا جائیگا

اس جواب کے بعد دوسری بحث شروع ہوا ہی چاہتی تھی، کہ مسٹر انٹونیو محلہ چلسی کے منتخب ممبر نے کھڑے ہوکر صدر سے کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی اور انھوں نے دوران تقریر میں کہا کہ فوج کے ادنی، اعلیٰ افسروں کا رشوت کی رقمیں لے لینا بعید از قیاس نہیں جبکہ وزیر جنگ خود ایک ایسا شخص ہے جس نے فریب، دھوکہ، چوری، بے ایمانی، ظلم وستم سے آج اپنے کو اس قابل بنالیا ہے کہ دار الامراء میں خاندانی رئیسوں کے ساتھ بیٹھکر اس عظیم الشان سلطنت کے حربی وزارت کا نظم ونسق کر رہا ہے

یہ الفاظ اور ایسا حیرت انگیز اتہام سن کر مجمع میں ایک ہلچل مچ گئی اور ہر طرف سے لعنت ملامت کی آوازیں آنے لگیں کچھ لوگ غصہ میں اسپر بھی آمادہ نظر آئے کہ مسٹر انٹونیو کو زدوکوب کریں، لیکن بعض لوگ مطلقاً مرعوب نہ ہوے اور مسکراتے رہے رفتہ رفتہ جب "آرڈر، آرڈر" کی پکار سے شور کم ہوا تو مسٹر انٹونیو نے اپنا سلسلۂ کلام پھر شروع کیا :- "مجھ پر یہ اچھی طرح روشن ہے کہ اس معزز مجلس میں میرا کوئی ساتھی نہیں اور نہ کوئی جماعت میری حمایت کرنے والی ہے، میری ذاتی حالت سارے عالم پر منکشف ہے اور مجھے اس کے اعادہ میں مطلق شرم نہ کرنا چاہیے، کہ میں جوتے بنانے والا ایک غریب چمار ہوں، میری انگلیوں کے گھٹے، یہ بڑھے ہوے ناخن، استرے قینچی سے نا آشنا مونچھ داڑھی کے لمبے لمبے بال، میری سخت زبان اور میرا غیر شایستہ طرز گفتگو یہ تمام باتیں ایسی ہیں جنکا میں خود معترف ہوں، اگر میں اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کی وجہ سے حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتا، میری یہ خامیاں صرف اس کا پتہ دیتی ہیں کہ اس ملک کے بدترین فرقہ میں پیدا ہوں اس شایستہ قوم کی غیر شایستہ اکثریت کا میں ایک عبرت انگیز نتیجہ ہوں ——— جسمیں اقلیت کے چند دولت مند نفوس اکثریت کے جائز حقوق پامال کرنے میں مطلق باک نہیں کرتے، جناب صدر! میں جاہل سہی، گنوار سہی، مزدور سہی، مگر میرے پہلو میں دل ہے اور دل میں درد، میں اپنی آنکھوں سے جو دیکھتا ہوں اس سے متاثر ہوتا ہوں اور پھر زبان پر جس طرح بھی آتا ہے بک دیتا ہوں، آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ چار سو شلنگ سالانہ جو مجھکو پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے ملتے ہیں وہ سب کی سب یا تو میں اپنے محلہ کے اندھوں کے اسپتال کو دیدیتا ہوں، یا اس سے ان غریب عورتوں کی مدد کرتا ہوں جو مجبوراً شرمناک زندگی گذارنے کے بعد اب موت کی منتظر بیٹھی ہیں ——

جناب میری گذر اسی جوتہ بنانے سے ہوتی ہے، شب کے وقت جب اس مجلس کے تقریباً کل ممبر اچھے اچھے ڈنر کھا رہے ہوں گے، یہ دیکھیے یہ سوکھی روٹی اور ٹھنڈا گوشت اپنی جیب سے نکال کر پانی کے چند گھونٹ کے ساتھ حلق کے نیچے اتاروں گا

جناب صدر! اپنے اس دکھڑے کے دہرانے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں ممبروں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دوں کہ وزیر جنگ وائی کونٹ بانسلے کے خلاف ایسے سخت اتہام لگانے سے نہ مجھے کسی نفع کی امید ہے اور نہ کوئی میری ایسی جماعت ہے جو اسکے مستعفی ہونے سے فائدہ اٹھا سکتی ہے، جناب میں اسوقت جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں خدا کو حاضر وناظر سمجھکر کہہ رہا ہوں اور آپ کو میری باتوں کا یقین نہ ہو تو یہ بتائے کہ جنگ سے پہلے وائی کونٹ بانسلے کون تھے، ایک اجنبی گمنام

تاجر جنھوں نے ۱۹۱۲ء میں جنوبی افریقہ سے آکر ایک مختصر پیمانے پر اپنا کاروبار شروع کیا تھا، برائے خدا کوئی یہ بتائے کہ اس سے قبل بھی کسی نے مسٹر میکبسی کا نام سُنا تھا، آخر یہ حضرت کون تھے؟ جنوبی افریقہ میں ان کا کیا شغل تھا؟ یکا یک اِن کے ہاتھ اتنی دولت کیونکر آگئی، جنوبی افریقہ جانے سے پہلے یہ کون تھے اور کیا تھے کوئی ہے اس بڑی مجلس میں جو میرے اس سوال کا جواب دے سکے، کوئی بھی نہیں، کیوں، اسلئے کہ سوائے وہ ایک کے کسی اور کو معلوم ہی نہیں، ہاں چند دن ہوئے میرے پڑوس کی ایک بدنصیب عورت نے مجھے اپنے بستر مرگ کے پاس بلا کر اپنی دکھ بھری رام کہانی سنائی چند کاغذات حوالے کئے چند جملے کہے اور آنکھیں بند کرکے ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی، مگر جناب صدر! عالم نزع میں اس عورت کی مرتعش زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ابتک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور اس کی کانپتی ہوئی انگلیوں سے جو کاغذات میں نے لئے تھے وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔

جناب صدر! جنگ عظیم کے موقع پر ملک کو، قوم کو، سلطنت کو، سامانِ حرب کی ضرورت تھی، گوشت اور مکھن کی ضرورت تھی، روئی اور چارے کی ضرورت تھی اور ضرورت بھی ایسی کہ اگر وہ فوراً نہ پوری کی جاتی تو آج ہم سب جرمنی کے غلام ہوتے، بکنگھم پیلس (قصر شاہی) پر یا تو ہل چلائے گئے ہوتے، یا اُسے ایک عجائب خانہ بنا یا گیا ہوتا یا اسمیں کڑی مونچھوں والا کوئی جرمن جنرل لندن کے گورنر کی حیثیت سے مقیم ہوتا یہ سب چیزیں ہر ممکن طریقہ سے حاصل کی گئیں نہ کسی سے کچھ پوچھا گیا اور نہ کسی کے جواب کا انتظار کیا گیا، میکبسی کون تھا، نہ مجھے پہلے معلوم تھا اور نہ اب، مگر ہاں میرے پاس اسکے ثبوت موجود ہیں کہ اسی میکبسی نے جنگ کے زمانہ میں آرجنٹائن اور برازیل سے قحط کی جھوٹی رپورٹیں بھجوا کر لندن کے بازار میں گوشت اور گیہوں کی قیمت چوگنی بڑھوا دی اور خود یہی چیزیں منگوا کر اور گورنمنٹ کے ہاتھ بیچ کر کثیر نفع حاصل کیا، میں ثابت کر سکتا ہوں کہ میکبسی نے وزارت جنگ کے ایک بڑے رکن کو رشوت دیکر کڑوروں کا سامان حرب ردی قرار دیکر نیلام کرا دیا اور انھیں کوڑیوں کے مول خرید کر پھر اپنے نام سے گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا، میں جانتا ہوں کہ اس نے سلطنت کے راز کی باتیں دشمنوں تک پہونچائیں، میرے پاس اسکے ثبوت موجود ہیں کہ سلطنت برطانیہ کے مختلف مقبوضات میں بغاوتیں اور شورشیں اس کے ایما اور سازش سے ہوئی تھیں، میں اسکے ثبوت میں کاغذات پیش کر سکوں گا، کہ جنگ کے بعد کوئلہ کی کانوں میں اس شخص کا کتنا بڑا حصہ تھا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ اندھے ہیں، دولت دیکھکر ان کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور پھر یہ نہیں پوچھتے کہ کون کیا تھا اسی موجودہ وزیر جنگ نے ملک کو کس طرح لوٹا، کسی کو بھی خبر نہیں، اسکی ہستی سلطنت کے لئے کتنی خطرناک ہے کسی کو پرواہ نہیں، مگر کسی کم عہدے کے فوجی افسر نے اگر کسی سے ایک سگریٹ کیس قبول کر لیا، چاندی کی دو تھالیاں لیلیں تو اسکی گردن میں پھانسی لگائی جاتی ہے، صدر صاحب میں تو بالشویک ہوں، فوج کا دشمن ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے ذریعہ مختلف قوموں کو ہمارا غلام بنایا جا رہا ہے لیکن میں انصاف پسند ہوں کسی کو اگر میری باتوں کا یقین نہ ہو تو کچہریاں کھلی ہیں، مجھ سے پرسش کر لی جائے اور مجھ سے ثبوت طلب کئے جائیں، جناب صدر، اعلیٰ افسروں کو کوئی کچھ نہیں کہتا، لیکن کم درجہ والوں کو برباد کر کے عبرت کے لئے مثالیں قائم کی جاتی ہیں۔"

مسٹر انٹونیو کی تقریر کے بعد ساری مجلس میں دیر تک سناٹا چھایا رہا اور وزیر اعظم صرف اتنا کہکر کہ وہ اس اتہام کا جواب کل دیں گے چیمبر کے باہر نکل آئے، وائی کونٹ بائسلے جو امرا کی نشست گاہ سے یہ تقریر سن رہے تھے اُٹھکر وزیر اعظم کے کمرہ میں چلے گئے۔ قرینہ غالب یہ ہے کہ یا تو مسٹر انٹونیو کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا، یا وزیر جنگ کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑے گا، کیا عجب کہ ملک معظم آج کی رات سینڈرنگھم سے لندن واپس چلے آئیں

وائی کونٹ بائسلے نے مسکراتے ہوئے یہ اخبار موڑ کر رکھدیا، اور دوسرا اخبار کھولکر پڑھنے لگے، روز کا معمول تھا کہ اخبار کی تازہ کاپیاں موٹر میں قرینے سے رکھدی جاتی تھیں اور یہ گھر واپس جاتے ہوئے انھیں پڑھ لیا کرتے تھے، اس دوسرے اخبار میں بھی ممتاز جگہ مسٹر انٹونیو کی تقریر دی گئی تھی، لیکن دوسرے صفحہ پر بحرف جلی یہ لکھا تھا:۔

"ہائیکورٹ کے دروازہ پر بم کا پھٹنا اور ہنگامہ میں ایک قیدی کا پراسرار فرار"۔

آج پانچ بجے جب ڈارٹ مور جیل کے گورنر کے قتل میں ماخوذ ہونے والے قیدی اور گواہ ہائیکورٹ سے باہر لاکر پولیس کی موٹروں میں سوار کیے جا رہے تھے، اسوقت سڑک پر کئی بم پھٹے، مگر وقتی ہنگامہ کے علاوہ کوئی اور نقصان نہ ہوا، جب بدبو کم ہوئی اور لوگ اپنے حواس میں آئے تو معلوم ہوا کہ ایک قیدی جو گواہی کے لئے لایا گیا تھا، مفرور ہے اور زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ وہ قیدی ہندوستانی تھا جو کئی سال سے ڈارٹ مور کے جیل خانہ میں مقید تھا، اور اب چند مہینوں میں رہا ہونیوالا تھا۔"

لارڈ بائسلے اخبار سے نظر اُٹھائے کسی خیال میں محو تھے، سگار بُجھ چکا تھا اور اُن کی آنکھیں نیم وا تھیں، کچھ دیر یونہی سوچ میں رہنے کے بعد انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اسطرح سر کو جنبش دیکر پھر اخبار کو اٹھا لیا جیسے کسی خیال کو کوشش کرکے دور کر رہے ہیں بُجھا ہوا سگار انھوں نے داہنی طرف تشتری میں رکھدیا، اور اخبار پڑھنے لگے۔

کئی سال گزر چکے ہیں اور ممکن ہے کہ ناظرین کو گذشتہ واقعات یاد نہ ہوں اس لئے اختصار کے ساتھ اس ہندوستانی قیدی کے مقدمہ کا حال ذیل میں درج ہے:۔

سنہ ۱۹۲۰ع میں دو ہندوستانی لڑکے کلکتہ یونیورسٹی سے ڈگریاں لیکر لندن آئے اور لندن یونیورسٹی کالج میں داخل ہوئے بڑا بھائی مجتبیٰ فزکس اور کیمیا کے تجربے کرنے لگا، اور چھوٹا بھائی مرتفضے سول سروس کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو گیا، مجتبیٰ بہت جلد جلد ترقی کرنے لگا اور اس نے دہی چار مہینے میں کئی علمی مضامین لکھے جو سائنس کے باوقار پرچوں میں چھپے، چھوٹا بھائی مرتضیٰ اپنا زیادہ وقت کھیل کود، تھیٹر، گھوڑ دوڑ میں صرف کیا کرتا تھا دونوں بھائی جس مکان میں رہتے تھے اس مکان کا مالک ایک پنشن یافتہ فوجی سارجنٹ تھا جو اپنی پلٹن کے ساتھ کئی سال ہندوستان میں رہ چکا تھا۔ اسکا نام جیکسن تھا اور اب یہ اپنے مکان کے سامنے ایک تھیٹر میں دربان تھا، اسکی بیٹی مارگیرٹ بھی اسی تھیٹر میں ٹکٹ بیچنے پر ملازم تھی، لڑکی جوان اور خوبصورت تھی اور دونوں بھائی مجتبےٰ اور مرتضیٰ اس سے محبت کرنے لگے تھے، مگر مارگیرٹ مجتبیٰ کی طرف زیادہ مائل تھی، ایکدن جیکسن اپنے گھر میں داخل ہوا ہی تھا کہ اوپر کے کمروں سے ہنگامہ کی آواز آئی، اس نے جاکر دیکھا تو مجتبیٰ اپنے کمرے میں پڑا دم توڑ رہا تھا، اسکی پیٹھ میں ایک بڑا سا چاقو اترا ہوا تھا، اسکے قریب مارگیرٹ بیہوش پڑی تھی سامنے مرتضیٰ مبہوت کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ اور اسکے کپڑے خون سے رنگین تھے جیکسن پولیس بلالایا، چاقو مرتضیٰ ہی کا تھا اور جب اسپر قتل عمد کا مقدمہ چلایا گیا تو اپنی صفائی میں وہ سوائے انکار کے اور کچھ نہ کہہ سکا۔ مارگیرٹ نے

مرتضیٰ کے خلاف شہادت دیتے ہوئے کہا کہ دونوں بھائی میری عشق میں لڑ بیٹھے اور مرتضیٰ نے رقابت میں اپنے بھائی مجتبیٰ کو مار ڈالا" عدالت سے مرتضیٰ کو پھانسی کی سزا کا حکم صادر ہوا' اسی سال ملک معظم ہندوستان تشریف لیجا رہے تھے لندن کے ہندوستانی باشندوں نے رحم کی درخواست کی اور پھانسی کی سزا حبس دوام سے مبدل ہو گئی اسوقت سے مرتضیٰ ڈارٹ مور کے جیلخانہ میں مقید تھا' اس کے اچھے اطوار اور اسکی علمی قابلیت نے تھوڑے ہی دنوں میں اسے قیدیوں کا سردار بنایا تھا' اور اب بہت جلد اسکے قید کی بقیہ میعاد معاف ہونیوالی تھی اور یہ بہت جلد رہا ہونیوالا تھا۔ ڈارٹ مور کے جیلخانہ کے گورنر جنرل رچرڈسن کو چند قیدیوں نے ملکر قتل کر ڈالا تھا' اور انھیں کی شناخت کیلئے مرتضیٰ مع چند قیدیوں کے لندن لایا گیا تھا' اور جب مقدمہ کی پیشی کے بعد یہ موٹر میں سوار ہو رہا تھا اسی وقت کئی بم پھٹے اور اس ہنگامہ میں مرتضیٰ فرار ہو گیا پولیس تفتیش کیلئے متعین ہے ممکن ہے کل تک گرفتار ہو جائے"

وائی کونٹ باسلے نے یہ اخبار بھی بند کر کے رکھدیا اور کسی گہرے خیال میں غرق ہو گئے' تھوڑی دیر کے بعد موٹر ایک بڑے مکان کے سامنے رکا' وائی کونٹ اترے' ہال میں ایک بوڑھے سیاہ پوش خادم نے اِن کا کوٹ اتارا اور ٹوپی اور چھڑی لیلی اور سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اوپر کی منزل پر چلے گئے' خادم ان کی خوابگاہ کے سامنے کھڑا تھا' کمرے میں جا کر انھوں نے کپڑے اتارے غسل کیا' اور ڈنر سوٹ پہنکر سگار پیتے ہوئے کتب خانے میں چلے آئے ابھی یہ کمرہ کے وسط میں پہونچے بھی نہ تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک نوعمر لڑکی "نانا ابا۔ نانا ابا" کہتی ہوئی انکی طرف بڑھی' تقریباً اسکی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی' میانہ قد' چھریرا بدن' اسکے چہرے کی سفیدی پر ہلکے بادامی رنگ کا اشتباہ ہوتا تھا' گالوں پر سیب کی سی ہلکی گلابی جھلک تھی' مصنوعی رنگ سے رنگے ہوئے بھرے بھرے لب یاقوت کی طرح چمک رہے تھے' اور کمان کی طرح سیاہ بھویں اوپر کو کچھ اسطرح تنی ہوئی تھیں جیسے تحیر اور رنج کا پتہ چلتا تھا' ان سے غصہ بھی نمایاں تھا اور کسی امر پر آزردگی بھی' سر کے سیاہ بال پیچھے کی طرف مردوں کی طرح کٹے ہوئے تھے' اور سامنے کے بال پیچھے کی طرف لہریا بناتے ہوئے پڑے تھے' کانوں میں ہیرے کے آویزے لٹک رہے تھے' یہ لڑکی نہایت ہی حسین سفید رنگ کے ریشمی کپڑے کا گون پہنے تھی جسکا گھیر گھٹنوں کے اوپر ہی ختم ہو گیا تھا اور اوپر کا حصہ جسم سے بالکل چپاں تھا' پشت بالکل عریاں تھی' شانے کھلے ہوئے تھے' اور یہ گون صرف ہیرے کی ایک ہیکل کی مدد سے گلے سے آویزاں تھی۔ لڑکی کے بائیں بازو پر پلیٹنم کا ایک کڑا تھا۔ جسمیں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے' جرابیں ایسی باریک تھیں کہ ٹانگوں کی نیلی رگیں اندر سے نظر آتی تھیں ان کا رنگ جسم کے رنگ سے اسقدر ملتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا ٹانگیں بالکل ننگی ہیں' پیروں میں سفید نقرئی کمخواب کے نازک جوتے تھے' لڑکی نے قریب آکر وائی کونٹ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھکر منھ چوما اور بولی "نانا ابا۔ لیڈی ایجرٹن کے یہاں رقص میں چلئے گا نا' میں ٹونی کے ساتھ رٹز میں کھانا کھانے جا رہی ہوں اور وہیں سے رقص میں جاؤں گی' لیڈی ایجرٹن کی بڑی لڑکی سلویا نے آج کی رات مجھے اپنے ساتھ سلانے کا وعدہ کیا ہے' آپ بھی آئیے گا نا؟"

لڑکی کے اس اظہار محبت کو دیکھکر بھی وائی کونٹ کے چہرے سے خوشی نمایاں نہ تھی' آنکھوں میں آنسو آگئے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لڑکی کو گلے لگا لیا اور دیر تک اپنے سینہ سے لگائے رہے' لڑکی انکی اس حرکت سے گھبرا سی گئی اور خوفزدہ ہو کر پوچھنے لگی "کیوں نانا ابا کیسا مزاج ہے؟" کونٹ نے بہت ضبط کر کے جواب دیا:۔ "نہیں کچھ نہیں' یونہی کچھ یاد آگیا اور دل بھر آیا' گھبراؤ نہیں"

لڑکی اِن کا ہاتھ پکڑ کر ایک آرام کرسی کے پاس لیگئی اور انھیں بٹھلا کر خود کرسی کے بازو پر بیٹھ گئی اور ان کی گردن میں باہیں ڈالکر کہنے لگی "نانا ابا' آپ ان دنوں سخت محنت کرتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی صحت نہ خراب ہو جائے' دن رات سوائے کام کرتے کوئی اور شغل ہی نہیں' میں بتاؤں چلئے چند دنوں کیلئے مڈیرا چلے چلئے' میرا بھی لندن کی بارش کہر اور سردی سے دم گھبرا گیا ہے۔ وہاں سردی بہت ہی کم ہو گی' دھوپ بھی خوب ہو گی آپ کی بھی صحت

درست ہو جائے گی اور میرا بھی جی بہلے گا، میں اپنے ساتھ......" لڑکی نے محبت بھری نظروں سے کونٹ کو دیکھکر اپنا گال ان کے گال سے ملا دیا۔ اور ایک ہاتھ سے اُن کے شانوں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دینے لگی، ——"نہیں بیٹی مارگیرٹ مجھے ایک منٹ کی فرصت نہیں، پارلیمنٹ کا اجلاس ہو رہا ہے بہت سے معاملے زیر تجویز ہیں، بھلا میں کیسے جا سکتا ہوں" لڑکی نے اس انکار پر منھ بھلا کر کہا "تو آپ کو کیا میری خوشی سے زیادہ پارلیمنٹ کا خیال ہے" کچھ دیر چپ رہنے کے بعد جھجکتے ہوئے اور فوراً شرما کر "نانا ابا میں ایک راز کی بات بتا دوں؟ میں نے آج ٹونی کی درخواست منظور کر لی اور مجبوراً کیونکہ ایک مدت سے لوگ ناک میں دم کئے ہوئے تھے، جہاں گئی بھڑوں کی طرح چمٹ گئے، آخر کار کل کی رات میں نے عاجز آ کر فیصلہ کر لیا اور موٹر میں جب ٹونی نے ہزاروں منتیں کیں تو میں نے ہاں کہدیا، غریب ٹونی ہے تو بیوقوف، مگر پکے ارادے کا آدمی ہے، نانا ابا چلئے آپ اور میں اور ٹونی جنوبی فرانس چلے چلیں، چلئے گا نا؟"

وائی کونٹ ابھی جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ بوڑھے خانساماں نے دروازہ کھول کر ادب سے عرض کیا "لیڈی صاحبہ مسٹر ہالیڈے تشریف لائے ہیں" "انھیں یہیں بلا لو" کہکر لیڈی مارگیرٹ کرسی سے اُٹھی اور آتش دان کے اوپر لگے ہوئے آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر سر کے بال درست کرنے لگی، مسٹر انٹونی ہالیڈے نے کمرے میں داخل ہو کر "ہلو میگی" کہتے ہوئے لیڈی مارگیرٹ کی طرف مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا، لیکن وہ ہنس کر بولی، "بیوقوف لڑکے یہ ہاتھ ملانا کیسا، میرے بوسے کیوں نہیں لیتا، میں نے نانا ابا کو اپنا فیصلہ سنا دیا ہے" یہ کہکر لیڈی مارگیرٹ نے خود مسٹر ہالیڈے کے کئی بوسے لئے۔

ہالیڈے نے لیڈی مارگیرٹ سے جدا ہو کر وائی کونٹ سے ہاتھ ملا کر کہا:- "میں اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ میگی نے میری درخواست قبول کر لی اور میں جناب کا ممنون ہوں کہ آپ نے بھی اسے منظور کر لیا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بہت جلد شادی کر کے مارگیرٹ کو برازیل لیتا جاؤں، ابا جان علیل ہیں اور طلبی کے تار پر تار آ رہے ہیں"

وائی کونٹ نے ہالیڈے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھکر کہا، میاں اگر مارگیرٹ نے تمھیں قبول کر لیا تو پھر میری منظوری کی کیا ضرورت، جب وہ کہیں شادی کر لو، میری دعا ہمیشہ تمھارے شامل حال رہے گی۔ خدا تم دونوں کو خوش رکھے، تم جانتے ہو کہ یہ میری آنکھوں کی پتلی ہے، میں اسے دیکھکر زندہ ہوں۔

لیڈی مارگیرٹ نے نانا کے بوسے لئے۔ ہالیڈے نے گڈ نائٹ سر، کہکر اُن سے مصافحہ کیا اور دونوں باہر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے کچھ دیر بعد وائی کونٹ نے سگار جلایا۔ اور دل میں یہ کہکر "خیر اس بچی کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا" کسی گہرے خیال میں ڈوب گئے۔ دیر تک سگار پیتے رہنے کے بعد انھوں نے دیوار سے لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور فوراً ہی بوڑھا بٹلر دروازہ کھول کر مودب سامنے آ کر کھڑا ہو گیا "مارٹن آج مجھے بھوک نہیں ہے کھانا نہ کھاؤں گا، صرف دو ایک بسکٹ اور چند سینڈوچ شراب کی بوتل کے ساتھ رکھ دو کسی وقت بھوک لگے گی تو کھا لوں گا، آج مجھے دیر تک کام کرنا ہے، اور ہاں مارٹن تم نے تھیٹر کا وہ نیا تماشہ تو نہیں دیکھا ہے؟" "نہیں مائی لارڈ" "اچھا تو تم اور مسز مارٹن آج میری طرف سے اسے دیکھ آؤ بہت پسند کرو گے اور ولیم کو بھی لے لو، کہدو میں سوتے وقت کپڑے خود پہن لوں گا، جگہ کے لئے ٹیلیفون کر دو اور موٹر میں چلے جاؤ

شو فر غریب بھی تماشہ دیکھے گا "

بوڑھا مارٹن "حضور کا بیحد شکریہ" کہکر باہر چلا گیا، اور چند لمحوں کے بعد ایک نقرئی کشتی میں چند بسکٹ اور سینڈوچ لے آیا ایک چھوٹی میز پر ایک چھوٹی کشتی میں شراب کے دو تین کنٹر سوڈا کی ایک سائی فن اور دو تین گلاس رکھے ہوے تھے۔ مارٹن نے یہ کل چیزیں سجا کر رکھدیں۔ آتش دان سے راکھ جھاڑی، کوئلے کے کچھ ٹکڑے آگ میں ڈالے، کھڑکی کے قریب جاکر پردے برابر کردیئے، سگار کے ڈبہ کو کھول کر دیکھ لیا کہ بھرا ہے۔ پھر ادب سے "گڈ نائٹ مائی لارڈ" کہتا ہوا آہستہ سے دروازہ بند کرکے چلا گیا۔ مارٹن کے جانے کے بعد وائی کونٹ ایک گھنٹہ تک کسی گہرے خیال میں غرق رہے، ان کے چہرے سے غم اور کبھی غصے کے آثار نمایاں تھے، آنکھیں کسی فوری جوش سے چمکنے لگتی تھیں اور کبھی ان سے نا امیدی ظاہر ہوتی تھی، دیر کے بعد انھوں نے ایک آہ بھری اور کھڑے ہوگئے۔ دروازہ کے پاس آکر انھوں نے قفل میں کنجی لگائی اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

"آج مجھے کیا کیا خطاب ملے ہیں، چور۔ ڈاکو۔ فریبی۔ جعل ساز۔ ظالم اور یہ خطاب مجھے دیئے کس نے ؟ ایک جاہل ان پڑھ گنوار چمارنے۔ مگر میں نے بادشاہ اور سلطنت سے کیا کیا خطاب پائے ہیں۔ رائٹ آنریبل۔ ہنری میکسی، وائی کونٹ سلطنت برطانیہ کا وزیر جنگ۔ کروڑ کا مالک" کچھ دیر چپ رہنے کے بعد "نہیں نہیں وہ پہلے خطاب صحیح ہیں۔ سچ ہے میں چور ڈاکو، فریبی، جعل ساز ہوں، لیکن ہاں میں ظالم نہیں ہوں، اور وہ ہنلائی واقعہ؟ اوہ، مدت ہوئی اسکا فیصلہ ہوچکا۔ رہا جولیا کا قصہ ...."

وائی کونٹ دیر تک خاموش ٹہلتے رہے۔ اور پھر خود ہی آہستہ آہستہ گویا اپنے ہی کو خطاب کرکے کہنے لگے۔

"جولیا کیا تھی، اسٹیج کی ایک آوارہ چھوکری۔ کچھ ایسی حسین بھی نہ تھی، اب اتنے دنوں کے بعد مجھے یاد بھی نہیں کہ اس کی کونسی بات پسند آگئی تھی " کچھ دیر سوچ کر اور پھر مسکراتے ہوے، "ہاں ہاں۔ یاد آگیا، ایک دن وہ کورس میں ناچ رہی تھی، اور اس کا فراک سامنے سے بہت نیچا کٹا ہوا تھا، اتفاق سے ناچنے میں برہنہ ہوگئی۔ اور اسٹیج سے عجیب بد حواسی سے بھاگی۔ بس اسکا بھاگنا مجھے بھلا معلوم ہوا، تماشہ ختم ہونے کے بعد میں نے اس کے پاس اپنا کارڈ بھیجا، ملاقات کی دعوت دی، ربط بڑھا۔ اور پھر میری ہوگئی میں نے اسے ایک مکان کرایہ پر لے کردیا تھا، آرام سے رہتی تھی۔ کمسن تھی شوخ اور چالاک تھی، دن بھر کی محنت اور جانفشانی کے بعد شب کے وقت اس کی صحبت میں چند گھنٹے مزے میں کٹ جاتے تھے۔ لیکن جب مجھے پہلے پہل خطاب ملا تو اسے بھی "لیڈی" بننے کی سوجھی، فرمایش کی کہ شادی کرلو میں آج اور کل پر ٹالتا ہی رہا، یہانتک کہ بیرن بنا دیا گیا۔ اب اسنے اور بھی ضد شروع کی، اور شرارتیں کرنے لگی۔ مجبوراً جب میں نے انکار کیا تو مجھے دھمکی دینی شروع کی، میرے کاغذات میں سے چند کاغذات اسے ایسے مل گئے تھے جو سوائے میرے کسی اور کی نظر سے گذرنے کے قابل نہ تھے۔ ایک رات جب اسنے سخت ہنگامہ کیا تو میں نے اسے مار پیٹ کر گھر سے نکالدیا اور اس دن کے بعد سے مجھے مدتوں اسکی کوئی خبر معلوم نہ ہوئی۔ اور ادھر تو میں اسے بالکل ہی بھول چکا تھا، صرف چند دن ہوے کہ اس کا ایک خط آیا تھا، جس میں لجاجت کے ساتھ ملاقات کی درخواست کی تھی، مجھ سے جدا ہوکر تو اس نے میرے دیئے ہوے مال پر زندگی گذاری، پھر ادھر ادھر یوں ہی سی ملازمت کرتی رہی۔ مگر بھلا اس سے کب بسر اوقات ہوسکتی تھی، عسرت سے مجبور ہوکر پکڈلی"

میں پھرنے لگی، اور اسطرح پیٹ پالنے لگی، مگر آخر نتیجہ وہی ہوا جو ہوا کرتا ہے، ایک مہلک اور ناپاک مرض میں مبتلا ہو گئی۔ جب میں ملنے گیا تو اسوقت اسکا مرض طول کھینچ چکا تھا، صحت سے ناامیدی تھی۔ مجھ سے گڑگڑا کر پھر شادی کی درخواست کی۔ اس نے بہت آرزو منت کی، آنسو بہائے، ہاتھ جوڑے، مگر میں مجبور تھا انکار کرکے چلا آیا، اور شاید اسی دن اس نے "انٹونیو" کو بلا کر اپنی داستان سنائی اور وہ کاغذات دے دیئے .... "دائی کونٹ کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر دیر تک کچھ سوچتے رہے۔" جولیا! اگر تو نے سچ مچ ایسا کر دیا ہے تو بس میرا خاتمہ ہو گیا، میرے پاس اُن کا کچھ جواب نہیں ہے۔ یہ سارے الزامات سب کے سب سچ ہیں، گو میں تنہا اس قسم کی باتوں کا گنہگار نہیں ہوں، میرے ہی طرح کتنے اور لارڈ اور بیرونٹ ایسے ہیں جن کی کامیابی کا راز صرف ان کی سیاہکاری ہے ...."

دائی کونٹ ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے اور دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر اٹھکر اضطراب میں کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلنے لگے۔

"کل نو بجے وزیراعظم نے جواب مانگا ہے، مگر میرے پاس جواب کیا ہے، میں اگر انکار بھی کر دوں تو کیا ہوتا ہے۔ اگر جولیا نے سچ مچ انٹونیو کو سب کچھ بتا دیا تو میں کہیں کا نہ رہا، کہیں بھاگ بھی نہیں سکتا، بھلا میں جواب کیا دے سکتا ہوں۔ .... جواب .... جواب تو بس ایک ہے۔ اور .... وہ .... اپنے .... ہاتھوں سے .... موت .... اف! موت کیسا خوفناک لفظ ہے۔ لیکن اگر موت نہیں تو پھر کیا۔ اس کے بدلے۔ اس کے عوض۔ بدنامی رسوائی۔ بے عزتی۔ اور قید۔ اور کیا عجب۔ کون کہہ سکتا ہے ممکن ہے کہ پھانسی ہو وہ جرمن آبدوز والا واقعہ .... اوہ .... کیوں یاد کروں؟"

دائی کونٹ پھر کرسی پر بیٹھ گئے، دیر کے بعد انھوں نے وسکی کی بوتل سے آدھا گلاس شراب کا انڈیلا اور بغیر سوڈا ملائے پی گئے۔ "آہ۔ اب کچھ سکون ہو چلا ہے میں خائف ہو گیا تھا۔ موت سے ڈرنا کیا؟ آخر مرنا لازمی ہے، اور دوسرے کے ہاتھوں سے مرنے کے بدلے بہتر ہے اگر اپنے ہی ہاتھوں سے مر جاؤں، خیر اگر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کی تو اس کا اتنا افسوس نہیں جتنا مارگیریٹ کی تباہی اور بربادی کا غم ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں مٹی نہ خراب ہو جائے ...."

دائی کونٹ نے اب کی برانڈی کا آدھا گلاس انڈیلا اور پی گئے۔

"اچھا تو جواب لکھدوں اور پھر ...."

میز کے قریب بیٹھ کر خط لکھنے لگے، اور خط ختم کرکے اُسے بلاٹنگ سے چھاپنے کے بعد آہستہ آہستہ پڑھنے لگے۔

"پیارے وزیراعظم۔ آپ کے سوالات کا میرے پاس بس ایک ہی جواب ہے جو میں آپ کو اس خط کے ملنے کے پہلے دے چکا ہوں گا۔ "آپ کا مخلص بائسلے"

"کافی ہے بس بس اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں" خط لفافہ میں رکھ کر باشلے نے اس پر پتہ لکھا، پھر کی اور دوسرا خط تو اسی کے نام لکھا:-

"پیاری مارگیرٹ،۔ مجھ کچھ ایسی ہی مجبوری آن پڑی تھی کہ میں نے خودکشی کر لینا بہتر سمجھا، مگر تمہارے لئے دل بے چین ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم میرے لئے اپنے کو ہلاک نہ کر ڈالو، خدا کیلئے ایسا نہ کرنا" "خدا حافظ"

دونوں خط انہوں نے میز پر ایک کتاب سے لگا کر رکھدیئے کہ کمرہ میں داخل ہونے والے کی نظر فوراً ان پر پڑے، اسکے بعد باشلے دیر تک بیٹھے سوچتے رہے اور پھر ٹہلنے لگے۔

"کیا ہو اگر بھاگ جاؤں، کہیں چھپ رہوں، کسی ملک میں جاکر روپوش ہو جاؤں۔ ابھی بہت وقت ہے۔۔ کتنے بجے ہیں۔ گیارہ۔ مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جاؤں تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہاں جاؤں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چھپوں تو کہاں چھپوں، اور اگر چھپ بھی سکا تو ایسی زندگی کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مر ہی کیوں نہ جاؤں۔۔۔۔۔۔۔۔"

دیر تک ساکت کھڑے رہنے کے بعد کانپتے ہوئے چلا اوٹھے:-

"موت۔ موت۔ اور وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔ اُف۔ مجھ سے نہ ہوگا، مرنا کیسا؟ اور خودکشی کیوں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں کیوں مروں اور کیوں جان دوں" کچھ دیر ٹہلنے کے بعد "میں کمزور ہو گیا ہوں۔ ذرا سی بات سے خایف ہو جاتا ہوں"

یہ کہکر وہ میز کی طرف بڑھے اور دونوں خط ہاتھ میں لے کر چاہتے تھے کہ چاک کر دیں کہ پھر رکے، سانس پھولی ہوئی تھی، اونگلیاں کانپ رہی تھیں اور پیشانی پر پسینہ کے قطرے تھے، ایک بھیانک آواز میں:-

"کیا بھاگ کر بچ کسی طرح بچ سکوں گا، دنیا کا کون گوشہ ہے جہاں میں چھپ کر بچ سکونگا، اور اگر یہیں رہا تو میرے پاس اون کاغذات کا کیا جواب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر جب بچنا محال ہے تو یہ فضول کا جھگڑا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

دائی کونٹ نے پھر شراب پی اور میز کی دراز سے تپنچہ نکالکر دیکھ لیا کہ اس میں کارتوس بھرے تھے، تپنچہ ہاتھوں میں لے کر دیر تک ٹہلتے رہے، چہرے کا رنگ منٹ منٹ پر بدل رہا تھا، یکایک اون کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، بدن کانپنے لگا، اور بائیں ہاتھ سے کرسی پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"افسوس۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ مجھے ایک دن اسطرح سے مرنا ہے تو اتنی مصیبت اٹھا کر اس قدر دولت کیوں جمع کرتا۔ پہلی زندگی کیا بری تھی"

یہ کہکر انہوں نے اپنے دل پر زور دے کر جسم کی تھرتھری کو روکا، کانپتے ہوئے ہاتھ سے تپنچہ سر تک لائے، گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر آنکھیں بند کر کے سانس روک لی۔ اور اب چاہتے ہی تھے کہ لبلبی دبا دیں کہ کسی آواز سے گھبرا کر پلٹے تو دیکھا کہ میز کے سامنے کرسی پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا انہیں غور سے دیکھ رہا ہے۔ وزیر اعظم اور مارگیرٹ کے نام کے خطوط اس کے ہاتھ

میں تھے۔ گھبراہٹ میں وائی کونٹ کے ہاتھ سے پنچہ گر گیا، اور وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ چند قدم اس کی طرف بڑھکر پرے اور پھر پیچھے ہٹے۔ "تم کون" ان کی آواز بہت ضعیف تھی۔ "تم کون ہو؟" ذرا بلند آواز سے۔ "ارے تم کون ہو۔ بولتے کیوں نہیں۔ جواب دو"

"میں کون ہوں۔ جیکسن کیا اتنے دنوں میں میری صورت اتنی بدل گئی ہے۔ کہ تم مجھے پہچان بھی نہیں سکتے" اجنبی کی آواز سے ایک خوفناک اطمینان ظاہر ہو رہا تھا۔ باسکلے کے پاؤں کانپنے لگے، کلیجہ بیٹھنے لگا۔

"کون! مرتضیٰ۔ مرتضیٰ۔ نہیں ہو نہیں سکتا۔ ممکن ہی نہیں۔ یہ میرے دماغ کی کمزوری کا اثر ہے، یہ میرا صرف واہمہ ہے" کچھ آگے بڑھ کر اور پھر ڈرتے ہوئے۔ "کیا تم مرتضیٰ ہو"

"جیکسن۔ کیا سوجھتا نہیں کہ میں مرتضیٰ ہوں"

"مگر تم تو جیل میں تھے ...."

"ہاں تھا تو جیل میں، لیکن آج شام کے وقت میں ہائیکورٹ کے پھاٹک سے بھاگ نکلا اور دیر سے یہاں چھپا ہوا ہوں مگر جیکسن مجھے خوشی اسکی ہے کہ تم اتنے بڑے لارڈ ہونے کے بعد بھی اس سے انکار نہیں کرتے کہ تم اصل میں جیکسن ہو"

لارڈ باسکلے قریب کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ کر بولے:۔

"انکار سے فائدہ، صرف وقت کی بربادی۔ تمہارا یہاں تک آجانا۔ اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ تم میرے اگلے حالات اور میرے راز سے اچھی طرح واقف ہو۔ مگر مرتضیٰ۔ تمہیں یہاں تک آتے میں کچھ ہراس نہ ہوا، کیا ہو اگر میں تمہیں مار ڈالوں۔ یا گرفتار کرا کے قید کرا دوں؟"

مرتضیٰ نے ہنس کر کہا:۔

"اجی۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو بھی اور گرفتار کرا دیا تو بھی، دونوں صورتوں میں ہمارے تمہارے اگلے تعلقات کا دنیا کو پتہ چل جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نہ مجھ پر ہاتھ اٹھاؤ گے، اور نہ میرے خلاف اپنی زبان ہلاؤ گے"

باسکلے نے کچھ دیر چپ رہ کر کہا۔ "ہاں ایک حد تک یہ صحیح ہے مگر یہ بتاؤ کہ تم میرے راز سے کس طرح واقف ہو گئے۔ تم تو آج اٹھارہ انیس سال سے قید میں تھے۔ تمہیں میری حالتیں اور میرا پتہ کیونکر معلوم ہو گیا؟"

"تمہیں یاد نہیں۔ جب تم منسبری امپائر کے تھیٹر میں دربان تھے تو تھیٹر کے سامنے اسمتھ، ایک پست قد آدمی چار روٹی کی دوکان رکھا کرتا تھا"

باسکلے کی گھبراہٹ کچھ اور بڑھ گئی، مرتضیٰ نے سگار کے ڈبے سے ایک سگار چن کر اٹھا لیا اور جلا کر پینے لگا۔

"جیکسن مجھے قید میں بھجوا کر تم بھی کہیں غائب ہو گئے، اور ایک مدت کے بعد جب لندن میں پھر نمودار ہوئے تو فوراً ہی

رئیس بن گئے۔ اسمتھ اب ٹیکسی چلاتا تھا۔ اوس نے تمہیں ایک دن پہچان لیا۔ تمہارا پیچھا کر کے تمہارا گھر اوس نے ڈھونڈ نکالا۔ اور پھر تم تو خود جانتے ہو کہ تمہیں دھمکی دے دے کر اوس نے کئی بار تم سے کثیر رقمیں حاصل کیں۔ مگر جب تم اس سے بہت عاجز ہو گئے تو تم نے اسے گرفتار کرا کے قید کرا دیا۔"

مرتضیٰ دیر تک سگار کے دھوئیں نکال کر آہستہ آہستہ باہر پھینکتا رہا۔

"میری اوس کی ملاقات صرف اتفاق سے ہو گئی۔ جب وہ ڈارٹ مور بھیجا گیا تو میں اُن دنوں قیدیوں کا میٹ تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو فوراً پہچان لیا۔ وہ میری کوشش سے میرا اسسٹنٹ بنا دیا گیا، اس طرح ہم دونوں کو گفتگو کا خوب موقع ملا، اور ہم نے خفیہ خط و کتابت کے طریقے ایجاد کئے۔ جب وہ رہا ہوا تو مجھے ہر ہفتہ اسی خفیہ طریقے سے کل باتوں کی خبر دیتا رہا۔"

باسلے کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"مگر تم ہائیکورٹ سے کیسے بھاگ سکے؟"

"صرف اسمتھ کی مدد سے۔ میں نے اسے خبر دے دی تھی کہ میں آج گواہی کے لئے ہائیکورٹ لایا جاؤں گا۔ مقدمہ کے بعد جب قیدی اور گواہ باہر لائے جا رہے تھے، اسمتھ نے کہر کے اندھیرے میں چند بم پھینکے اور قریب ہی اپنی ٹیکسی لئے کھڑا رہا۔ جب بم کے پھٹنے سے ہنگامہ ہوا تو مجھے اپنی ٹیکسی پر بٹھا کر بھاگا۔ ہم لوگ اپنی جانوں پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح یہاں آ گئے۔ موٹر ہم نے سامنے گڑھے میں چھپا دی اور چونکہ اسمتھ اس کمرہ میں کئی بار آ چکا تھا اس لئے اوس نے مجھے اسی کمرہ میں چھپ رہنے کی رائے دی۔ کھڑکیاں بند تھیں مگر اٹھارہ برس قید میں رہ کر میں نے بہت سے نئے ہنر سیکھے ہیں۔ ایک یہ کھڑکی کھولکر اندر چلا آنا مشکل نہ تھا، اور میں یہاں چھپا رہا اور اسمتھ بھی کہیں قریب ہی ہے اور اگر مجھے زیادہ دیر ہوئی تو ممکن ہے کہ وہ بھی آ جائے تم نے نوکروں کو چھٹی دے کر گھر کے باہر بھیج دیا ہے، اب اندر ہم دونوں ہیں، اور باہر اسمتھ۔"

اپنی بیکسی اور مجبوری اور مرتضےٰ کی اس دلیری کو سوچ کر لارڈ باسلے کا دل بیٹھا جاتا تھا، کسی طرح مفر کی صورت نظر نہ آتی تھی، اس طرح جان پر کھیل کر مرتضےٰ کے آنے کا صرف ایک مقصد ہو سکتا تھا۔ پھر بھی اونہوں نے ہمت کر کے رکتے ہوئے پوچھا:۔

"مگر مرتضےٰ اس قدر خطرے اوٹھا کر مجھ تک آنے کی وجہ؟"

"وجہ۔ وجہ پوچھتے ہو۔ جیکسن تم۔ اور مجھ سے وجہ پوچھتے ہو۔ صرف تمہاری وجہ سے میں اٹھارہ سال سے قید میں مر رہا ہوں، اور پھر تم مجھ سے یہاں تک آنے کی وجہ پوچھتے ہو!"

مرتضیٰ کا وہ پہلا اطمینان غائب ہو رہا تھا، غصہ کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

"جیکسن تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ میں نے بھتیجے بھائی کو نہیں قتل کیا تھا۔ مگر پھر بھی تم نے میرے خلاف گواہی

دے کر مجھے قید کرا دیا، میں اپنے کمرہ میں بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ میں دوڑ کر بھائی کے کمرہ میں گیا۔ دیکھا تو خون میں ڈوبے ہوئے پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ اور مارگریٹ قریب ہی کھڑی بید کے مانند کانپ رہی تھی۔ ابھی میرے حواس ٹھکانے بھی نہیں ہوئے تھے کہ تم پولیس کے ساتھ آ گئے اور مجھے گرفتار کر لیا گیا، مگر جیکسن تم اچھی طرح جانتے تھے کہ میں بھائی کا قاتل نہ تھا۔"

جیکسن دیر تک ساکت رہا۔ پھر رک رک کر بولا:۔

"اگر تم بے قصور تھے تو پھر عدالت کے سامنے قاتل کا نام کیوں نہ بتا دیا میرا ہی نام بتا دیا ہوتا یا مارگریٹ ہی کا، اُسے تو تم نے آخر اوسی کمرے میں پایا تھا"

مرتضیٰ جوش غضب میں کانپ اوٹھا اور چلا کر کہنے لگا:۔

"جیکسن۔ آخر میں کس کا نام بتاتا، تمہیں میں نے بھائی کے کمرے میں پایا نہ تھا، رہ گئی مارگریٹ، تو کیا اوسی کا نام بتا دیتا۔ مارگریٹ کا۔ اپنی پیاری بیوی مارگریٹ کا۔ جس سے میں پاڈنگٹن رجسٹری آفس اور ووکنگ کی مسجد میں دو مہینے پہلے شادی کر چکا تھا، میں نے سمجھا تھا کہ ممکن ہے بھائی نے اس کے ساتھ تنہائی کا ناجائز فائدہ اوٹھانا چاہا ہو۔ اور مارگریٹ نے اپنی عصمت بچانے کو چھرا مار دیا ہو، اور پھر جب عدالت کے سامنے میرے خلاف گواہی دی تو اسکے اضطراب سے میں نے سمجھا کہ ضرور وہی قاتلہ تھی اور صرف اپنی جان بچانے کے لئے مجھے ماخوذ کرا رہی تھی، میں نے سوچا کہ اگر تم قاتل ہوتے تو مارگریٹ اپنے باپ کے بچانے کو اپنے شوہر کو پھانسی نہ دلواتی۔ مشرقی بیوی تو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتی مگر میں اپنی اس مغربی بیوی سے اس قدر محبت کرتا تھا کہ مجھے اس کی طرف سے کم از کم اتنی امید ضرور تھی کہ باپ اور شوہر میں یہ ضرور شوہر کا ساتھ دے گی۔ بس اسی یقین نے میرے لبوں پر مہر کر دی اور میں چپکا رہ گیا۔ ہاں ایک وجہ اور تھی، میں جانتا تھا کہ مارگریٹ کے بچہ ہونے والا تھا جیکسن کیا تم اس کی توقع رکھتے تھے کہ میں صرف ایک اپنی جان بچانے کے لئے مارگریٹ اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اپنی اولاد کا خون کراتا۔ ہرگز نہیں، بس یہی دو سبب تھے کہ لب تک نہ ہلایا۔ اور سر جھکائے قید میں چلا گیا۔"

جیکسن دیر تک مبہوت بیٹھا رہا پھر اپنے کو سنبھال کر بولا:۔

"مرتضیٰ۔ میں کئی سال ہندوستان میں رہ چکا ہوں۔ مگر مجھے اس وقت تک یہ نہ معلوم تھا کہ ہندوستانی محبت اور وفاداری میں اس طرح جان دیتے ہیں۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہاں کس غرض سے آئے ہو۔ اگر روپیہ کی ضرورت ہے، تو میں اس وقت کسی بڑی رقم سے تمہاری مدد تو نہیں کر سکتا۔ شب کے وقت بینک کھلے نہیں رہتے، اور چیک تمہارے کسی کام کا نہ ہوگا۔ پھر بھی گھر میں اتنی رقم ضرور مل جائے گی کہ تمہاری فوری ضرورتوں کے لئے کافی ہو، اس سے زیادہ کی ضرورت ہو تو بعد کو دے سکتا ہوں، سچ ہے تم نے سخت مصیبت اوٹھائی اور مجھے اس کا افسوس ہے۔" یہ کہکر جیکسن نے

...... اپنی جیب سے نوٹ بک نکالنی چاہی، مگر مرتضیٰ نے ہاتھ کے اشارے سے روکا

"کیا؟ روپیہ کی ضرورت نہیں ہے؟ خیر رہنے دو۔ لیکن اگر رہائی چاہتے ہو تو ابھی وزیر داخلہ کو ٹیلیفون کر کے تمہیں رہا کرا دوں، وہ میری سفارش کو فوراً مان لیں گے۔ یا اگر ہندوستان یا کسی اور ملک کو جانا چاہو تو بھجوا دوں۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ تمہیں بلاقصور اتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑا، اور میں سچے دل سے اپنی ندامت کا اظہار کرتا ہوں"

مرتضیٰ نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا:۔

تف ہے آپ کے افسوس پر اور تفریں ہے آپ کے اظہار ندامت پر۔ جیکسن تم مجھ جیسے فقیر کو دولت کا لالچ دیتے ہو۔ عمر بھر کے قیدی کو آزادی کی تصویر دکھا کر رجھاتے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ میرے ابا جان، پروفیسر مصطفےٰ ایک مدت تک ہیرا بنانے کی کوشش میں تھے، اون کا خیال تھا کہ جب ہیرا اور کوئلہ دونوں کاربن ہیں تو پھر کوئلہ ہیرے کی صورت میں کیوں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ ساری عمر کے تجربے اور اپنی ساری دولت صرف کرنے کے بعد وہ صرف یہاں تک دریافت کر سکے کہ اگر مصری کے ذرے کثیر دباؤ کے اندر بہت سخت گرم کر کے پگھلائے جائیں اور پھر ایک خاص مرکب روغن میں دفعتاً ڈال دیئے جائیں تو وہ ہیرے کے نہایت ہی باریک ذرے بن جائیں گے۔ اباجان صرف یہاں تک دریافت کر چکے تھے کہ مر گئے۔ اور اب یہاں سے بھائی جیکسن نے دریافت شروع کی۔ کہ یہی مہین ذرے کس طرح ملا کر بڑا ہیرا بنائے جا سکتے ہیں، سخت محنت و جانفشانی کے بعد وہ کامیاب ہوئے ہی تھے کہ قتل ہو گئے۔ وہ مجھے اپنے تجربوں کی حالت روز بروز بتاتے جاتے تھے، اور میں محبت کا اندھا کل باتیں مارگریٹ کو بتا دیا کرتا تھا۔ مجھے بعد کو معلوم ہوا کہ تم بھائی کے مرنے کے بعد افریقہ جا کر مصنوعی ہیرے بنانے لگے۔ ایک کان خریدی اور اصل ہیروں کے ساتھ ان ہیروں کو ملا کر بیچنے لگے اور مالدار ہو کر اب تو دائی کونٹ بن گئے ہو"

مرتضیٰ کا سگار بجھ گیا تھا، اونھوں نے اسے پھر جلایا اور سلسلۂ کلام جاری رکھا:۔

"جیکسن میں تمہارے پاس روپیہ کی غرض سے نہیں آیا ہوں، کیونکہ اب مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں۔ ہیرا بنانے کا نسخہ مجھے اب بھی یاد ہے، چاہوں تو کروڑپتی بن جاؤں، مگر اب دولت کی تمنا ہی نہیں، میں رہائی کے لئے نہیں آیا ہوں، کیونکہ قید میں بڑے آرام سے کٹ رہی ہے۔ میرے ماں باپ مدت ہوئے مر چکے ہیں خاندان میں اب کوئی بھی باقی نہیں۔ آزاد ہوں تو کس کے لئے، ہاں۔ یہاں تک آنے کی تین وجہیں تھیں، ایک تو اپنی بیٹی مارگریٹ کو دیکھنے کی تمنا۔ اسمتھ نے مجھے قید خانہ میں بتایا تھا کہ وہ اب جوان ہو گئی ہے۔ میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس کی ماں کی طرح اس کا بھی نام مارگریٹ ہی رکھا، وہ آرزو اس وقت پوری ہو گئی۔ جیکسن جب میں اس کمرہ کے مخملی پردہ کے پیچھے چھپا ہوا اس مارگریٹ کو دیکھ رہا تھا تو مجھے اپنی مردہ مارگریٹ زندہ نظر آ رہی تھی۔ بار ہا جی چاہا کہ اپنے خون سے بنی ہوئی اور اپنی پیاری بیوی کی زندہ تصویر کو گلے لگا لوں، لیکن ضبط کر کے رہ گیا۔ خیر خدا اسے زندہ رکھے۔ مجھے غم نہیں کہ اوسے

میرے وجود کا بھی علم نہیں "
مرتضیٰ کی آنکھیں پرنم ہوگئی تھیں، کچھ دیر سگار پینے کے بعد:-
"دوسری غرض یہ تھی کہ تم سے دریافت کروں کہ بھائی بھتیجے کو سچ سچ کس نے قتل کیا تھا، تم نے یا مارگریٹ میری بیوی نے، اور تیسری غرض یہ تھی کہ اگر تمہیں قاتل نکلے تو تمہارا گلا گھونٹ دوں، اور ہاں ایک چوتھی غرض یہ تھی کہ بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھ لوں، ان کے دفن کے وقت میں تو قید میں تھا"
جیکسن آنکھیں پھاڑے متحیر خاموش بیٹھا رہا۔ اوس نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر بول نہ سکا۔ مرتضیٰ پھر اوس کی طرف مخاطب ہوئے۔
"جیکسن، پردے کے پیچھے چھپ کر میں نے تمہاری ساری باتیں سنیں تم خودکشی کرنے کو تھے وہ بھی میں نے دیکھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ تم خود سے اپنی جان لے لوگے، اس لئے اگر تم ہی قاتل ہو تو میری تیسری آرزو بھی خود بخود پوری ہوجائے گی، اور میرے ہاتھ تمہارے خون سے رنگین نہ ہوں گے، تمہاری عمر کا پیالہ لبریز ہوچکا ہے، انٹونیو کے علاوہ اب مجھے بھی تمہارے راز سے آگاہی ہے۔ مگر برائے خدا مجھے اتنا بتا دو کہ کیا سچ مچ مارگریٹ ہی نے بھتیجے کی جان لی تھی؟"
جیکسن کرسی سے اوٹھ کر ٹہلنے لگا، اور دیر کے بعد بولا:-
"مرتضیٰ، تم سچ کہتے ہو، خودکشی کئے بغیر مجھے کوئی چارہ نہیں۔ اگر تمہارے کرسی پر بیٹھنے کی آواز سے میں چونک نہ پڑتا، تو میں نے تپنچہ سر کر دیا ہوتا، اور اس وقت مردہ ہوتا، سچ ہے تمہیں اپنے ہاتھ نہ رنگین کرنے ہوں گے، گو بہتر ہوتا، اگر یہ کام تم ہی کر دیتے، ممکن ہے مجھ سے خود نہ ہوسکے، کیا عجب ہے کہ عین وقت پر میں ہمت ہار جاؤں اور پھر موقع ہاتھ سے نکل جائے"
مرتضیٰ نے دوسرا سگار جلا کر جواب دیا:-
"جب مجھے اس کا یقین ہے کہ تم اگر اس وقت نہیں تو بہت جلد وہ کام کر ہی لوگے جس کا ارادہ میں کرکے آیا ہوں، تو پھر میں کیوں گناہ کا مرتکب ہوں، جیکسن، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم ہی میرے بھائی کے قاتل ہو تو میرے لئے تمہاری جان لینا جائز ہوگا۔ مگر مجھے اگر رنج ہے تو اس کا کہ میری بیوی مارگریٹ نے دانستہ مجھے پھانسی دلوانی چاہی۔ اور مجھے دکھ ہے تو اس کا کہ اسی نے میرے بھائی کی جان لی"
جیکسن کچھ دیر تک جواب نہ دے سکا، اور پھر رک رک کر کہنے لگا۔
"مرتضیٰ، میں تمہاری اس محبت کی قدر کرتا ہوں، چونکہ میں اب اپنی زندگی کی اخیر گھڑیاں گن رہا ہوں اس لئے چھپانے سے کیا حاصل۔ جب تم نے اپنے بھائی کی دریافت کی تکمیل کا راز مارگریٹ سے کہہ دیا، تو اوس نے اس کی مجھے خبر دے دی، دراصل وہ میرے ہی کہنے پر تم سے محبت کرنے لگی تھی، اور میری غرض صرف تمہارے راز کی دریافت تھی، ہاں مجھے اسکی خبر نہ تھی کہ مارگریٹ تمہیں دھوکہ دینے میں خود دھوکہ کھا گئی، یعنی اوس نے تم سے شادی کرلی، بہرحال میں نے بھتیجے سے

نسخہ مانگا، اوس نے انکار کیا، میں نے دھمکی دی، بات بڑھ گئی۔ ہم لوگ اوبجھ گئے، اور لڑ پڑے، اور میں نے۔ ہاں مرتضیٰ۔ میں نے ہی تمہارے بھائی کو قتل کیا تھا، میں اس کا اقرار کرتا ہوں، تمہارے سامنے تپنچہ رکھا ہے، میں حاضر ہوں، اپنے بھائی کے خون کا جی چاہے تو بدلہ لے لو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

جیکسن مرتضیٰ کے سامنے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے، آنکھیں چمک رہی تھیں اور سانس جلد جلد آجا رہی تھی۔ مرتضیٰ دیر تک مجسمہ حیرت بنے جیکسن کی طرف دیکھتے رہے۔ دل میں سو سو طرح کے جوش موج زن تھے، اونگلیاں جیکسن کے گلے سے چمٹ جانے کو بے قرار ہو ہو کر کانپ رہی تھیں، سر میں چکر تھا اور آنکھوں کو رہ رہ کر کچھ سوجھائی نہ دیتا تھا۔ دیر تک اسی طرح ساکت رہنے کے بعد مرتضیٰ نے بہت ضبط کر کے نہایت متانت مگر ایک خوفناک اطمینان کیساتھ کہا:-

"جیکسن، مجھے خوشی اس کی ہے کہ مارگریٹ جس پر میں جان و دل سے شیدا تھا، میرے بھائی کی قاتلہ نہ تھی، مجھے یقین ہے کہ میرے خلاف اوس نے گواہی دی وہ تمہارے دباؤ سے اور اگر سچ مچ ایسا ہی تھا تو میں نے خدا کے سامنے اوسے معاف کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رہ گیا بھائی کے خون کا بدلا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تو تم خود ہی لے چکے ہیں کیوں اپنا ہاتھ رنگین کروں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ کہہ کر مرتضیٰ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور اوٹھ کر دروازہ کی طرف بڑھے جیکسن نے ڈانٹ کر کہا:-

"ٹھہر جاؤ۔ تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے، مجھے تو مرنا ہی ہے، لیکن پہلے تم تو مرلو"

یہ کہہ کر جیکسن نے تپنچہ اوٹھا لیا اور چاہا کہ مرتضیٰ پر فیر کر دے۔ مگر کسی فوری خیال سے متاثر ہو کر اس نے اپنے سر سے تپنچہ ملا کر سر کر دیا اور گولی دماغ کے پار ہو گئی۔ مرتضیٰ آہستہ سے دروازہ کھول کر کمرہ سے باہر نکل گئے۔

. . . .

صبح صادق کے وقت وونگ مسجد کے میناروں سے "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" کی صدا بلند ہو رہی تھی، اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب مولانا شمس الدین اذان کہہ چکے تو ایک شخص نے بڑھ کر "السلام علیکم" کہا۔ مولانا گھبرا گئے۔ سامنے ایک شخص سیاہ کوٹ پہنے کھڑا سر جھکائے چپکے چپکے رو رہا تھا۔

"مولانا گھبرائیے نہیں، آج ایک مدت کے بعد جو اذان کی آواز سنائی دی تو دل بھر آیا، شاید آپ مجھے بھول گئے ہیں میں مرتضیٰ ہوں جو اونیس سال سے قید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" مرتضیٰ اس سے زیادہ نہ کہہ سکے۔ آواز بھرانے لگی، مولانا نے غور سے دیکھا۔ ضعیفی کی وجہ سے بصارت میں کمزوری آگئی تھی، مگر جب پہچان چکے تو مرتضیٰ کو گلے لگا کر خود بھی دیر تک روتے رہے۔

"معاف کرنا۔ پہچان نہ سکا تھا، اندھیرے میں اب کم دکھائی دیتا ہے۔ ہاں ہاں بیشک تم مرتضیٰ ہو، لیکن کیسے آئے، کیا رہائی ہو گئی؟"

مرتضیٰ نے اختصار کے ساتھ اپنے واقعات بیان کئے، کچھ دیر تک آنسو بہانے کے بعد دونوں نے نماز پڑھی، اور مولانا گھر سے روٹی مکھن چائے مسجد ہی میں لے آئے۔ جب مرتضیٰ نے سیر ہوکر کھا لیا، تو دونوں مسجد سے نکل کر سڑک پر آئے۔ اسمتھ موٹر سے قریب ہی کھڑا تھا، دونوں موٹر میں سوار ہوکر تھوڑی دیر میں بروک وڈ کے مقبرے میں پہونچے۔ مولانا مرتضیٰ کو ساتھ لئے قبروں کے درمیان ہوتے ہوئے ادھر آئے جدھر مسلمانوں کی قبریں تھیں۔ مرتضیٰ نے جب بھائی کی قبر کے سنگ مزار پر اس کا نام پڑھا تو ڈھاڑیں مار کر قبر سے چمٹ گئے۔ مولانا کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اور فاتحہ پڑھتے جاتے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے مرتضیٰ کو بھائی کی قبر سے علٰحدہ کیا اور دونوں مقبرہ سے باہر نکل آئے، موٹر پر سوار ہوکر دونو جب ووکنگ کے تھانے کے پاس پہونچے تو موٹر رکا۔ مرتضیٰ نے مولانا سے گلے مل کر انکا شکریہ ادا کیا، اسمتھ سے مصافحہ کیا اور خدا حافظ کہتے ہوئے تھانہ پر جاکر دروازہ کی گھنٹی بجائی، ایک کانسٹبل نے دروازہ کھول کر استعجاب سے دیکھا۔

"میں مرتضیٰ قیدی نمبر ۱۹۸۳ ہوں۔ میں شب بھر بغیر اجازت غیر حاضر رہا ہوں، مجھے ڈارٹ مور کے جیل خانہ میں بھجوا دیجئے"

مرتضیٰ کمرے کے اندر چلے گئے اور کانسٹبل نے دروازہ بند کر لیا۔

سید علی اکبر کاظمی (بی، ایس، سی)

تاریخ مغرب

مترجمہ مولوی محمد جمیل الرحمان صاحب ایم۔ اے، پروفیسر تاریخ اسلامی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن۔ یہ کتاب ترجمہ ہے البیان المغرب فی اخبار المغرب، مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی" کا۔ فاضل مترجم نے ترجمہ میں اصل کی تمام خوبیوں کو بہمہ وجوہ قائم رکھا ہے، بلکہ بعض حیثیات سے تو ترجمہ نے اصل پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی اس سے زیادہ مستند و مکمل تاریخ اردو زبان میں اجتک نہیں شایع ہوئی۔ قیمت صرف ؏

خلافت موحدین

ترجمہ مولوی محمد نعیم الرحمان صاحب ایم۔ اے، ایم، آر، اے، ایس پروفیسر عربی، اندلس (اسپین) اور مراکش کی نہایت مستند تاریخ اور ہر لحاظ سے تمام اردو لٹریچر میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے آخر میں چار نقشے ہیں، ترجمہ سلیس بامحاورہ اور دلچسپ ہے۔ لکھائی چھپائی صاف عمدہ، کاغذ نفیس ضخامت ۴۰۰ صفحات قیمت صرف للعہ مجلد۔

"منیجر نگار لکھنؤ"

قرآن مجید کے لطائف ادبی

اور

شعرائے عرب فارس کا استفادہ

دنیائے تحقیق مین کسی کتاب کا اعجاز و سحر ہونا صرف اس امر پر مبنی نہین ہو سکتا کہ اسکے متبعین اپنے مشاغل حیات کی بنیاد اسپر قایم کرتے یا یہ کہ بعض افراد فرط عقیدت مین اسے سر آنکھون سے لگا کر دل کو تسکین دے لیا کرتے ہین بلکہ جو چیزین پہلی نظر مین کسی محقق کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہین وہ اس کتاب کے محاسن افکار ہوا کرتے ہین

قدیم تفاسیر کا جو انداز بیان ہے، وہ اُس عہد کے ذوق، اور سیاسی فضا کے اعتبار سے یقیناً قابل ستایش ہے لیکن چونکہ اب تمدن کے ارتقاء کے ساتھ داعیات نفس و روح مین بہت تغیر ہو گیا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ مختلف زوایائے نگاہ کے ساتھ قرآن پر غور کیا جائے۔

چنانچہ اس مقالہ میں، یہ دیکھنا چاہتا ہون کہ اسنے انسان کے ذوق ادب کو کس حد تک متاثر کیا

قرآن مجید کا اعجاز ادب اور سحر انشا سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے عربی شاعری پر ایک نظر ڈال لی جائے اس لئے ابتداءً جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہون اُسے مبحث سے خارج نہ سمجھا جائے کیونکہ اصل مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ان مبادیات سے گزرنا ضرور ہے

ماخذ اور اسپر ایک سرسری تبصرہ

مینے اس مضمون کی ترتیب مین اکثر انگریزی تصانیف سے استفادہ کیا ہے، عربی کتابون مین صرف دیوان حماسہ معلقات سبعہ، اور بخاری میرے پیش نظر ہین۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان اور صنایع و بدایع کے متعلق مشہور امریکن مستشرق، میکڈونلڈ کی کتاب "اسلام مین مذہبی طور اور دینی زندگی" کے اندر ایک عالمانہ بحث ہے، جسکی تلخیص اس مضمون مین آپ کو ملیگی، ڈاکٹر ٹسڈل اور انکی کتاب "ماخذ قرآن" کے متعلق ایک مرتبہ لکھا جا چکا ہے اس نے اپنی کتاب مین ایک جگہ قرآن مجید پر اس حیثیت سے بھی نظر کی ہے، کہ آیا اسکے اندر ایسے مصرعے اور فقرے ہین یا نہین جو بجنسہ یا معمولی اختلاف کے ساتھ قدیم شعرائے عرب کے کلام مین پائے جاتے ہین؟ عربی نحو کے متعلق جرمنی کے ایک مشہور مستشرق کیپری کی کتاب کا انگریزی ترجمہ جو ڈبلو رائٹ کی عالمانہ سعی کا نتیجہ ہے، میرے زیر مطالعہ رہا، ان کتابون کے علاوہ محاسن شاعری، تعیین اخلاق، رموز عشقیہ اور بعض کوائف دماغی کی تشریح مین فلسفہ و نفسیات کی کتابون سے مدد لی گئی ہے، چنانچہ "حکمت گوئٹھ" مصنفہ جان اسٹوارٹ بلیکی پروفیسر لسان یونانی "معاشرتی ماحول اور اخلاقی ارتقاء" مصنفہ الفریڈ رسل ویلیس، "شعور جنسی" مصنفہ جیمس فاسٹر اسکاٹ (بی اے، ایم ڈی) اور "مبادی نفسیات" (جلد ۲) مصنفہ ولیم جیمس خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہین، اور انکے اقتباسات

مضمون ہذا مین ملین گے، اس ضمن مین مینے فارسی کے ان کتب (تذکرہ تاریخ) سے بھی مدد لی ہے، جنکے نایاب قلمی نسخون کا مطالعہ کرنے کیلئے مین پٹنہ (اورینٹل لائبریری) مین اقامت گزین رہا

عربی شاعری کے تین ادوار علما اور ادبا نے عربی شاعری کو تین حصون مین تقسیم کیا ہے[۱] جاہلی، مخضرمی، اور اسلامی، "شعرائے جاہلی" انکو کہتے ہین جو بعثت اسلام کے قبل گزرے ہین، اور انکا زمانہ ڈیڑھ سو برس تک رہا ہے، شعرائے جاہلی مین جو مشہور ہین ان مین "اصحاب معلقات" (سبعہ معلقہ کے مصنفین) اور دوسرے اکابر شامل ہین جن مین سے چند یہ تھے:-

امرؤالقیس، طرفہ بن عبد، زہیر، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد، حارث بن حلزہ (معلقات کے چھ قصیدے جو عربی شاعری کے لئے سرمایۂ ناز ہین انھین کے افکار کا نتیجہ ہین) نابغہ ذبیانی، اعشی، مہلہل، عروۃ بن الورد، عبد یغوث، عامر بن طفیل، حصین ابن حمام، قیس بن عاصم اور ابو محجن وغیرہ۔ ان شعرا کو جنھون نے جاہلیت اور اسلام دونو زمانے پائے انھین "شعرائے مخضرمی" کہتے ہین، ان مین جو زیادہ مشہور ہین انکے نام ہین حسان ابن ثابت، نابغہ جعدی، کعب بن زہیر، عباس بن مرداس، لبید ابن ربیعہ، ابو ذویب، عمرو بن معدیکرب، زیاد بن زید، اور جنھون نے جاہلیت کا زمانہ نہین پایا بلکہ عہد اسلام مین نشو و نما پائی انھین "شعرائے اسلامی" کہتے ہین، ان مین کثیر، جمیل، جریر، الفرزدق، الاخطل، بشار بن برد وغیرہ بہت مشہور ہین اور جن شعرا نے عہد امویہ و عباسیہ مین نشو و نما پائی انکو "مخضرمی الدولتین" کہتے ہین اور دولت عباسیہ کے شعرا "مولدین" کے نام سے مشہور ہین ان مین بشار بن برد کے بعد مسلم بن ولید، ابو العتاہیہ، ابن المعتز، ابن الرومی، متنبی، شریف رضی ابو العلا معری، ابو فراس، حسن بن ہانی طغرائی وغیرہم کا نام پایا جاتا ہے، دیوان حماسہ کی پہلی جلد مین ۶۵ شعرائے جاہلی، ۲۱ شعرائے مخضرمی، اور ۶۳ شعرائے اسلامی کے نام اور انکا نمونہ کلام درج ہے، انگریزی زبان کے ایک دلفریب ادیب، اور سنجیدہ مورخ، سر امیر علی (نور اللہ مرقدہ) نے عہد عباسیہ کے چند شعرا کا نام لکھا ہے، اور انمین بعض افراد کی ولادت اور وفات کی تاریخ بھی لکھدی ہے، ابو نواس خلیفہ امین کے زمانہ مین تھا اسکی تاریخ ولادت ۷۶۳ء بتائی جاتی ہے، ارباب نظر کا خیال ہے، کہ ابو نواس عہد جاہلیت کے مشہور شاعر امرؤ القیس کا ہم پلہ ہے، اسکے بعد عتبی (متوفی ۸۴۲ء) اور ابو تمام حبیب (متوفی ۸۴۵ء) کا زمانہ شروع ہوتا ہے، بحتری بھی نوین صدی مین گزرا ہے، اور ابو تمام کی طرح ایک "حماسہ" کا مدون ہے، متنبی کی شہرت نے اکثر شعرائے متقدمین کے کمال پر پردہ ڈال دیا

ابو تمام طائی دیوان حماسہ مطبوعہ دہلی کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اس مین (عربی زبان مین) ابو تمام کی ایک مختصر زندگی پائی جاتی ہے وفیات الاعیان، مصنفہ ابن خلکان مین اسکی زندگی پر ایک تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ امیر علی نے اپنی تاریخ، اور جناب مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری نے دیوان حماسہ کی عربی شرح مین، ابو تمام کے حالات زندگی

[۱] اس عربی عبارت کا ترجمہ و تلخیص ہے، جو دیوان حماسہ (جلد۱) مطبوعہ دہلی مین ہے، غالباً یہ آغانی کا اقتباس ہے

وفیات الاعیان ہی سے لئے ہین،

مضافات دمشق کے ایک موضع جاسم مین جو دمشق اور طبریہ کے درمیان مین ہے، پیدا ہوا، مصر مین پرورش پائی ایک روایت یہ ہے کہ جامع مصر مین سقہ کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ دمشق مین ایک جولاہے کے یہان کپڑا بننے کی نوکری کرتے تھے

ابو تمام بڑا فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے، ارباب علم کا بیان ہے، کہ قبیلہ طے مین تین شخص پیدا ہوئے جن مین ہر ایک اپنے کمال کے اعتبار سے یگانہ روزگار ہوا ہے، حاتم طائی سخاوت مین، داؤد بن نصیر طائی زہد و تقوی مین اور ابو تمام حبیب بن اوس طائی شعر و ادب مین، ایک بار ابو تمام دربار خلافت مین آیا اور احمد بن معتصم کی تعریف مین ایک قصیدہ پڑھا جب اس شعر پر پہونچا،

اقدام عمرو فی سماحۃ حاتم فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

دربار عباسیہ کا مشہور فلسفی ابو یوسف یعقوب بن صباح کندی بھی موجود تھا، اسنے ابو تمام کو مخاطب کرکے کہا کہ امیر کی جو تمنے تعریف کی ہے وہ اس سے بالاتر ہین، ابو تمام نے ذرا غور کرکے سر اوٹھایا اور فی البدیہہ دو اشعار کہے۔

لا تنکروا ضربی لہ من دونہ مثلا شرودا فی الندی والباس

فاللہ قد ضرب الاقل لنورہ مثلا من المشکوٰۃ والنبراس

مطلب یہ ہے کہ اگر مینے خلیفہ کیلئے عمرو کی بہادری، حاتم کی سخاوت، احنف کے حلم اور ایاس کی ذہانت کی مثال دی ہے جن سے خلیفہ بالاتر ہین تو کوئی نقص کی بات نہین خود اللہ تبارک تعالی نے اپنے لئے "طاق" اور "شمع" کی مثال دی ہے اس سے اشارہ کیا گیا ہے سورۂ نور کی اس آیت کی جانب[۵۱]

اللہ نور السمٰوت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح الخ

---

۵۱ جتنے بڑے بڑے شعرا گزرے ہین، انکی زندگی مین بدیہہ گوئی کا کوئی نہ کوئی نادر واقعہ ضرور پایا جاتا ہے سلطان محمد خان شہید کے دربار مین ارباب فتنہ کی شکوہ پردازی کے باعث، خسرو پر جب خواجہ حسن شاعر کے ساتھ ہوا پرستی کا اتہام لگایا گیا تو انہون نے فی البدیہہ ایک رباعی کہی

عشق آمد و شد چون خونم اندر رگ و پوست تا کرد مرا تہی و پُر کرد ز دوست +

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت نامیست مرا بر من و باقی ہمہ اوست (تاریخ فرشتہ)

محمد مقیم الہروی لکھتے ہین کہ اکبر کے دربار مین ملا لطفی منجم ایک شاعر تھے بدیہہ گوئی مین انکو کمال تھا، چنانچہ انکے متعلق لکھتے ہین "تا ہزار بیت در مجلس بر زبان آوردنے" (طبقات اکبری) حسین قلی خان عظیم آبادی، اور غلام علی آزاد بلگرامی نے مرزا صائب تبریزی کے حالات مین انکی جودت ذہن جودت فہم، اور بدیہہ گوئی کے واقعات لکھے ہین چنانچہ حسین قلی خان کی روایت ہے، کہ ایکمرتبہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴ پر

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳ بعض احباب نے امتحان کی غرض سے ایک بے معنی مصرعہ مرزا صائب کے سامنے پیش کیا، اور کہا کہ اسپر مصرعہ لگائے، مصرعہ تھا ''شمع گر خاموش باشد آتش از مینا گرفت'' مرزا نے فی البدیہہ کہا

امشت از ساقی زبس گرم است محفل میتوان — شمع گر خاموش باشد آتش از مینا گرفت

''نشتر عشق۔ قلمی نسخہ۔ اور ینٹل لائبریری'') ـــــ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہین کہ میر عظمۃ اللہ بیخبر بلگرامی ''سفینہ اشعار'' مین میر عبد الجلیل بلگرامی کی روایت سے جو انہون نے مرزا صائب کے دوست مرزا خاضع سے سنی ہے، بیان کرتے ہین، کہ مرزا خاضع کہتے تھے، کہ مین مدت سے یہ دو مصرعے سنتا چلا آتا تھا اول ''از شیشہ بے مے بے شیشہ طلب کن'' دوم ''دویدن رفتن، استادن نشستن، خفتن و مردن'' ایک دن مرزا صائب سے مینے کہا کہ ان پر مصرعے لگائیے، انہون نے فورًا کہا،

حق را ز دل خالی ز اندیشہ طلب کن — از شیشہ بے مے بے شیشہ طلب کن — پھر فرمایا

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را — دویدن رفتن، استادن نشستن، خفتن و مردن (ید بیضا، قلمی نسخہ)

صاحب مجمع الصنایع لکھتے ہین کہ ملک شاہ کے دربار مین امیر معزی کے ملک الشعرا بننے کا واقعہ یون ہے کہ عید کی چاند رات تھی شام کے وقت سلطان ایک کمان لئے ہوئے، امرائے دربار کو ساتھ لیکر اپنے کوٹھے پر آیا، اتفاقًا پہلے پہل بڑی مشکل سے چاند پر سلطان ہی کی نظر پڑی، اور اس نے تمام حاضرین کو دکھلایا اس واقعہ سے قدرتی طور پر اسے نہایت خوشی حاصل ہوئی امیر معزی نے انہین مخاطب کر کے کہا کہ اس موقعہ پر کوئی شعر کہو، امیر نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی

اے ماہ کمان شہریاری گوئی — یا ابروئے آن طرفہ نگاری گوئی

نعلے زدہ از زر عیاری گوئی — در گوش سپہر گوشواری گوئی

ملک شاہ پھڑک گیا، اور اسپ خاص عنایت کیا، اسکے بعد امیر نے پھر ایک رباعی پیش کی

چون آتش خاطر مرا شاہ بدید — از خاک مرا بہ زیر ماہ کشید

چون آب یکے ترانہ از من بشنید — چون باد یکے مرکب خاصم بخشید

سلطان نے مزید ایک ہزار دینار اور چند قسم کے انعام کے ساتھ امیر معزی کا لقب عطا کیا (مجمع الصنایع۔ قلمی نسخہ مقبوضہ خاکسار)

لیکن ابو تمام نے جس انداز سے مشرق کے اس مشہور فلسفی کا جواب دیا ہے، وہ اپنی شان اور طرز کے اعتبار سے بے مثل ہے، حاضرین کا خیال تھا کہ یہ اشعار ابو تمام کے قصیدہ مین لکھے ہوئے ہین لیکن جب انہون نے قصیدہ ہاتھ مین لیا تو انکی حیرت کی کوئی انتہا نہین رہی کہ اس نوجوان شاعر کا علوئے تخیل، اور نکتہ سنجی محض بدیہہ گوئی کا نتیجہ ہے، کندی نے کہا کہ (ان ھذا الفتی یموت شابا) لوگون نے اس کا سبب دریافت کیا، انہون نے جواب دیا کہ مین اس جوان کے اندر جدت، ذکاوت، فطنت لطافت حس پاتا ہون، اور اسی بنا پر میرا خیال ہے کہ نفس روحانیہ اسکا جسم اسی طرح کھا رہا ہے، جس طرح ہندی تلوار اپنے نیام کو کھا جاتی ہے حماسہ کی تدوین سے ابو تمام نے عربی زبان کی ایک بے مثل خدمت انجام دی ہے، صرف یہی نہین کہ حماسہ کے بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵

شاعر کی ذمہ داری

کسی قوم کی شاعری پر غور کرنے سے قبل ایک محقق کا فرض ہے، کہ وہ اس قوم کی معاشرت، سیاسیات، مدنی خصوصیت، اور طبعی ماحول کو مد نظر رکھے، لہذا ضرورت ہے کہ پہلے یہ بتا دیا جائے کہ شاعر کی ذمہ داریان کیا ہین؟

جان اسٹوارٹ بلیکی نے اپنی تصنیف "حکمت گوئٹھ" مین اسکے متعلق ایک نہایت دلچسپ بحث کی ہے وہ لکھتا ہے:-

"وہ عناصر اور قوتین جو انسان کی استعداد ذہنی کی تعمیر، اور اسکی فضا اور ماحول کی تشکیل مین معاون ہوتی ہین، دو قسم کی ہین، باطنی، اور ظاہری، "باطنی" وہ جنھین ہم فطری عقل و شعور، اور طبعی استعداد و اہلیت، جودت ذہن، اثر پذیری، قوت ارادی، طاقت جسمانی، تحمل، سنجیدگی، جرأت اخلاق وغیرہ سے تعبیر کرتے ہین، "ظاہری" مین خاندان کی تربیت، مذہب، مدرسہ، اور حکومت کی اثر آفرینی، ہئیت اجتماعیہ، ملک اور آب و ہوا کی انقلاب انگیزی شامل ہین۔"

ان اعتبارات سے جب گوئٹھ کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے، تو اسمین وہی نسلی خصوصیات اور قومی سیرت پائی جاتی ہے جو ایک جرمن کی زندگی کا مخصوص پہلو ہونا چاہئے، گوئٹھ جرمن زندگی کا ایسا ہی نمونہ تھا، جس طرح والٹیر فرانسیسی اور سقراط یونانی زندگی کا، لیکن ساتھ ہی وہ ایک واحد نمونہ تھا، اس خلقی قوت، اور کمال سیرت کا جسکی بدولت اسنے اپنی قوم کو کمزوری اور محکومیت

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴:- مطالعہ سے ہم قدیم عربون کے طرز زندگی، آداب معاشرت، اقتصادیات، و سیاسیات عقاید و اوہام سے واقف ہوتے ہین بلکہ مذہب اسلام کے نشو و ارتقا، سیاسی و اخلاقی افکار، اور تنظیم و تنسیق پر بھی گہری روشنی پڑتی ہے۔

براؤن نے علامہ شبلی کے حوالہ سے صائب کو فارسی ادب کا "ابو تمام" قرار دیا ہے، حالانکہ صائب تبریزی نے نہ تو ابو تمام کی طرح اہل فارس کے منتشر کلام کو قعر گمنامی مین گر کر غائب ہونیسے بچایا، اور نہ وہ ابو تمام کی طرح، اشعار فارس کا پہلا مدون ہے اسمین شک نہین کہ صائب کے متعلق تذکرہ نویسون نے بالخصوص والہ داغستانی اور سراج الدین علی خان آرزو، نے لکھا ہے کہ انھون نے فیضی، نظیری وغیرہ کے کلام کا انتخاب کیا ہے (ریاض الشعراء و مجمع النفائس) اور غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی نے لکھدیا ہے، کہ صائب کے اس مجموعہ منتخبات سے جسکا ایک قلمی نسخہ علامہ موصوف نے حیدر آباد دکن کی لائبریری مین دیکھا تھا، والہ داغستانی اور خان آرزو نے استفادہ کیا ہے ورنہ بہ نظر انصاف دیکھا جائے، تو صائب سے پہلے ابن شرف الدین علی تقی الدین محمد حسنی کاشانی، (خلاصۃ الاشعار) اور تقی بن معین الدین اوحدی نے جو منتخبات اشعار درج کئے ہین وہ زیادہ قابل قدر ہین (عرفات العاشقین) صرف اس وجہ سے نہین کہ تقی اوحدی، اور محمد حسنی کاشانی صائب سے پہلے گزرے ہین اور انہین نظیری، ظہوری، عرفی، فیضی اور دوسرے کثیر التعداد شعرائے فارس سے ذاتی ملاقات کا موقعہ ملا تھا، بلکہ حسن انتخاب، اور استعداد فہم کے اعتبار سے بھی قابل داد ہین، متاخرین مین ابو طالب صفہانی کے منتخبات مین بھی نہایت عمدہ اور قابل تعریف اسلوب انتخاب پایا جاتا ہے (خلاصۃ الافکار) جسے دیکھکر کسی شاعر کے کمال اور خیال پر صحیح رائے زنی کیجا سکتی ہے، صائب کے کمالات سے انکار نہین، لیکن تحقیق اس کی تائید نہین کرتی کہ صائب فارسی ادب کا ابو تمام تھا

کی حالت سے خود اعتمادی کے اس معراج کمال پر پہونچا دیا، جہان جرمنی کا نخل حیات بار آور ہوگیا
لیکن اسکے برخلاف خود گوئٹھ کا عقیدہ ہے، کہ انقلاب زمانہ کیساتھ ماحول مین تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، اور جہانتک ایک شاعر خارجی اثر پذیری کی اہلیت رکھیگا، اسی حد تک وہ ایک کامیاب شاعر کہلانے کا مستحق ہے شاعر کو اپنی ذاتی فکر و حساس کی بجائے، احساسات فطری اور عالم خارج کی نقش طرازی کرنی چاہئے، ہملوگ قدیم یونانیون کی (ٹریجڈی) کی تعریف کرتے ہین، لیکن اگر صحیح نظریہ سے کام لیا جائے تو انفرادی تخصیات کی بجائے قابل قدر وہ زمانہ اور وہ قوم ہے، جسکے ماتحت ایسے افکار کی آفرینش ہوئی، پھر یہ خصوصیات شان و تجمل صرف ڈرامہ ہی مین نظر نہین آتے، بلکہ غزل و مثنوی، فلسفہ، خطبہ، تاریخ و صنعت مین ہر جگہ مطالعہ کر رہے ہین، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفات محض افراد کی ذہنیت کا نتیجہ نہ تھین بلکہ تمام قوم کے اندر یہی ایک روح موج مار رہی تھی،

اسکے بعد گوئٹھ یورپ کے مختلف شعرا پر ایک سرسری تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"شاعر کا فرض نیابت الٰہی کا حق ادا کرنا ہے، یہ نیابت اسی وقت کامل ہوسکتی ہے، جب فطرت کے دوش بدوش ہو، اور جب ذہن شاعر کی وساطت سے نقوش فطرت کا ایسا صحیح خط و خال پیش نظر ہو جائے کہ ذہن سلیم پر اسکا وہی اثر ہو، جو حقیقیات سے پیدا ہوتا ہے اسی لئے جہانتک شاعر کے خود ذاتی فکر و احساس کو دخل ہوگا اسی حد تک وہ تاثر سے گرے ہونگے، وہ کلام جس مین شاعر صرف اپنے ہی احساسات کی ترجمانی کرتا ہے، اور اس مین خارجی محاسن نہین پیدا کرتا وہ شعر کے معراج کمال سے گرا ہوا ہوگا سوفکلس نے سیرت کے جو نمونے پیش کئے ہین ان مین خود شاعر کی روحانی بلندی نظر آرہی ہے اور یہی شکسپیر کا حال ہے یہی وہ محاسن ہین جنھین ایک شاعر کو تاریخی واقعات کی ترجمانی مین ملحوظ رکھنا چاہئے، بلکہ شکسپیر کی پرواز اس سے بھی بالاتر ہے، اور وہ رومیون کو بالکل انگریزون کی شکل مین پیش کرتا ہے، اور وہ حق بجانب تھا کیونکہ اگر وہ دوسری صورت اختیار کرتا تو اسکی قوم اسکی فکر و احساس کو سمجھتی ہی نہین، کسی شاعر کو ان تاریخی سیر تو نکا علم نہین جنھین انھون نے اپنے کلام مین نقش کیا ہے، اگر اسے معلوم ہوتا، تو وہ انہین اس موضوع کیلئے منتخب ہی نہ کرتا، شاعر کیلئے صرف یہ علم ضروری ہے، کہ وہ کونسے تاثرات پیدا کرنا چاہتا ہے، اگر شعرا صرف مورخین کی روایات کا اعادہ کرین، تو انکی ضرورت ہی کیا ہے، شاعر کو مورخ سے بالاتر ہونا چاہئے، اور اگر ممکن ہو تو اسے اپنے افکار مین ایک مورخ سے زیادہ حسن ادا پیدا کرنا چاہئے[1]"

اسکاٹ کے بیان سے پتہ چلتا ہے، کہ اسے عالم حقیقت کا کیسا وسیع علم تھا جسے اسنے عمر دراز کے درس

---

(۱) یہی وجہ ہے کہ نظامی اور جامی نے سکندر نامہ، لیلیٰ مجنون، یوسف زلیخا وغیرہ مین تاریخی حیثیت سے بے اعتنائی کی ہے، اور انہین واقعات تاریخی اسناد کے اعتبار سے غیر ذمہ دارانہ پائے جاتے ہین ۔ ع ۔

ومطالعہ کی بدولت حاصل کیا تھا

بائرن کو صرف ان باتون نے قطع وبرید ہی نے جو موروثی، اور حب وطن سے متعلق تھین، تباہ نہین کیا بلکہ اسکے انقلاب پسند رجحان، اور اس مستقل دماغی اضطراب نے جو اسکے ساتھ مستلزم رہا کرتا، اسکے فطری عقل وشعور کو ایک معقول ترقی کا موقعہ نہین دیا اسکے علاوہ اسکے مستقل انکار وتنقیص نے اس کے عمدہ عمدہ تصنیفات کو بھی خراب کیا، جو کہ انکے مطالعہ سے صرف یہی نہین کہ ایک قاری کو شاعر کا نقدان قناعت متاثر کئے بغیر نہین رہسکتا، بلکہ اسکی مخالفت کے اخیر مین نفی پائی جاتی ہے، اور نفی کوئی چیز نہین، اگر مین کسی برے کو برا کہون، تو اس سے مجھے حاصل کیا ہوتا ہے، اگر مین کسی اچھے کو برا کہون، تو یہ ایک نہایت شرارت کی بات ہے، بائرن نے حکومت اور مذہب کے خلاف ہنگامہ بپا کیا انکی تنقیص شروع کی، اس شورش نے اسے انگلستان سے جلاوطن کردیا اور وہ زمانہ نزدیک تھا کہ اسے یورپ ہی سے جلاوطن ہونا پڑے، اسکا ذہن اعلی اسکی فطانت وہبی تھی، اور بیٹے اس سے بڑھکر کسی مین صحیح شاعرانہ قوت نہین دیکھی، خارجی اشیاء کے ادراک اور حالات ماضیہ کے صحیح فہم مین وہ شکسپیر کی طرح ایک بلند ہستی ہے، لیکن محاسن انفرادیت کے اعتبار سے وہ شکسپیر سے کم ہے،

شاعری پر سیاسیات کا اثر

شاعری پر سیاسیات وقت کا اثر ایک ناگزیر مسئلہ ہے امن وفساد حزن ومسرت حریت وغلامی کے متضاد قومی مظاہر شاعری کے اندر غیر شعوری طور پر منتقل ہو جاتے ہین اور ایک دقیق النظر انسان، کسی کلام کے مطالعہ سے اس عہد کے سیاسی فضا کے متعلق ایک حد تک صحیح رائے قایم کرنے کا اہل ہو جاتا ہے، شاعری پر منحصر نہین افکار دماغی کے تمام نتائج وقت سے اثر پذیر ہوتے ہین چنانچہ "تاریخ فلسفہ وسطی" مصنفہ مورس ڈی الف سے جس مین فلسفہ دور وسطی کی خصوصیات اور انکے اسباب پر ایک محققانہ رائے زنی پائی جاتی ہے، اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

شارلین کی سلطنت کی تباہی کے قبل عہد وسطی کی خمیر مین مفصلہ ذیل قوانین کے ماتحت تدریجی ترقی ہو رہی تھی۔

(الف) رومی دنیا سے اگر ایک طرف ملکی اور سیاسی تنظیم کا درس مل رہا تھا تو دوسری طرف حکمیہ اور فلسفیانہ خیالات کے اجزاء افکار قومی مین جذب وقبول کی کیفیات پیدا کر رہے تھے۔

(ب) جدید اقوام مین شورش ردعمل شروع ہوئی اور انہون نے رومیون کے ان داخلی عناصر کو اپنے رسوم واحکام کے مطابق جذب کرلیا، یہ جدید قومین کلدانی (   ) اور جرمنی (جرمنی قوم مین فرینکس، انگلز، ٹیوٹنس، نورمنز بھی شامل ہین) تھین جرمن قوم کلدانیون مین مخلوط ہو گئی، جو اس سے قبل مغرب مین آباد تھی، اس اتحاد سے مخلوط قومین پیدا ہوئین جن مین مخصوص، گول، اطالیہ، اور ہسپانیہ کی جدید لاطینی قومین، اینگلو کلدانی (جن مین نورمن قوم کا خون ہے) اور رہائن کی ٹیوٹن اور جرمن قومین ہین، یہ تمام قومین تاریخ فلسفہ کی ترتیب کا اہم سلسلہ ہین،

(ج) مسیحیت نے تمام مدارج کی رہنمائی کی، اسے وحشی قومون کی تربیت اور انکو متمدن بنانے مین بڑی وقت لاحق ہوئی، مبلغین اعد

راہبون کی جماعت مختلف مقامات مین پھیل گئی۔

شارلیمن کی حکومت مین اسکے جانشینون کے زمانہ مین برہمی پیدا ہوگئی، اور جب حکومت غیر منظم ہوگئی تو مسلمانون نے جنوب سے اور اہل ہنگریا نے مشرق سے حملے کئے اور ان حملہ آورونکی بدولت جدید تمدن داخل ہوا، شمال مین نورمن قوم کا اثر قایم ہوگیا، اور تمام آبادی نے اس اختلاط سے ایک رنگ اختیار کرلیا، اسکانتیجہ یہ ہوا، کہ اس سے ایسی قومین پیدا ہوئین جو عجیب و غریب محاسن سے آراستہ تھین

یونان کی تاریخ شاعری مین بھی یہی عنصر پایا جاتا ہے، چنانچہ القمن (Alcman) اسپارٹا کا ایک غزلگو تھا دوسری جنگ میسینین کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسکا عہد شروع ہوتا ہے، اسکی شاعری مین اس دور کی وہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہین، یہ وہ زمانہ تھا کہ ملک مین امن تھا، ماحول مین عیش و نشاط کی روح دوڑ رہی تھی، جو اختتام جنگ کے بعد لازمی امر ہے، القمن کے نغمات مین زیادہ تر لذایذ اکل و شرب کی چاشنی پائی جاتی ہے،

طبعی ماحول سے شاعر کی اثر پذیری

شعراکے خیالات، ان لطائف فطریہ کا مجموعہ ہین جنکے اجزا ماحول مین منتشر ہوتے ہین اسلئے شاعری پر جغرافیہ طبعی کا اثر ہونا لازمی امر ہے، فلاسفہ کا خیال ہے، کہ کسی انسان کی پرواز فکر اسے اس کے خیالی نشیمن تک نہین پہونچا سکتی جب تک وہ حقیقت کا مطالعہ نہ کرچکا ہو۔ نیرنجات تصور، اور خیال کی عجائب آفرینی سے انکار نہین، لیکن ساتھ ہی لاک (Locke) کے اس نظریہ سے بھی انکار نہین ہوسکتا، کہ دماغ کے اندر کسی معمولی جدید خیال کی بھی تخلیق کی صلاحیت نہین بلکہ نتیجہ ہے ان تجربات حسیہ کا جو بصر و سمع اور دوسرے حواس ظاہری و باطنی کی بدولت ہمین حاصل ہوتے ہین، ہمارے آبگینۂ تصور مین کتنی ہی جلا کیون نہو لیکن اسمین ایسی تخلیقی قوت نہین، کہ اشیائے موجود فی الخارج کے کسی نہ کسی عنصر سے ذات متصورہ ملتی نہو، ولیم جیمس اپنی کتاب "مبادی نفسیات" (جلد ۲) مین لکھتا ہے:۔

> وہ حسیات جنکا ایک بار تجربہ ہوجاتا ہے، نظام اعصابی کے وظایف مین شامل ہوجاتے ہین، اسلئے جب اصل تہیج غائب ہوجاتا ہے تو انکی نقلین دماغ مین پھر عود کرتی ہین، دماغ مین کسی ایسے حس کی نقل مرتب ہی نہین ہوسکتی جس کی بلاواسطہ عالم خارج سے کوئی تحریک نہ پیدا ہوئی ہو۔
>
> خواب کے اندر ایک اندھا آدمی بینائی کا، ایک بہرا آدمی آواز کا ادراک کرسکتا ہے، گو انکی بصارت اور قوت سامعہ برسون قبل مفقود ہوچکی ہون، لیکن جو پیدائشی بہرا ہے، وہ نہین سمجھتا کہ آواز کیا ہے؟ اور نہ ایک پیدائشی نابینا دماغ کے اندر بصارت کا ادراک کرسکتا ہے، تمام دماغی خیالات کی اصل کوئی نہ کوئی عالم خارج کی تحریک ہوا کرتی ہے، متصورہ اس قوت کا نام ہے، جو دماغ کے اندر ان چیزون کی نقلین مرتب کرتی ہے جنکی اصل سے وہ کبھی متاثر ہوچکی ہے، اس تصور کو جس مین نقلین ہوبہو اترین "تصور اعادی" (Reproductive) کہتے ہین اور جس مین مختلف حقایق سے عناصر لیکر ایک مربوط سلسلہ قایم کیا گیا ہو، اُسے "تصور تخلیقی"

Productiveness کہتے ہین

ڈاکٹر ابرکرامبی کا بھی یہی نظریہ ہے، جو انکی کتاب "قوائے عقلیہ" مین پایا جاتا ہے، اور جسکا حوالہ "غالب بے نقاب کے حجابات" مین ایک مرتبہ آچکا ہے۔[۵۶]

امتداد زمانہ، طبعی ماحول، اور سیاسیات وقت کے اثر سے قومون کے اخلاقی معیار بدلتے رہتے ہین، اقوام و ملل کی تاریخ اخلاقی مین حسن و قبح کا معیار مختلف اور بعض اوقات متضاد پایا جاتا ہے، اور یہ نتیجہ ہے اُسی طبعی ماحول اور سیاسیات وقت کا ایک ہی چیز بہ یک وقت ایک ملک مین جائز اور محمود قرار دیجاتی ہے، اور وہی دوسرے ملک مین ناجائز اور مذموم متصور ہوتی ہے، لہذا موجودہ اصول تمدن، ارتقائے شعور، علوئے تہذیب اور اپنے ذاتی احساسات و افکار سے کسی قوم کے اخلاقی محاسن کا مقابلہ کرنا محققانہ اور منصفانہ طریق جستجو کے خلاف ہے، اگر ہم لوگ قدیم عربونکے محاسن شاعری کا مطالعہ کرنا چاہتے ہین تو ضروری ہے کہ پہلے تغیر اخلاقی کے اس کلیہ کو ذہن مین قایم کرلین جسکی تفصیل الفریڈ رسل ویلس کی کتاب "معاشرتی ماحول اور اخلاقی ارتقا" مین پائی جاتی ہے۔[۵۷]

"ایک زمانہ مین یہ عقیدہ متداول تھا اور آج بھی بہت سے حضرات کا یہ خیال ہے۔ کہ ہر انسان مین جائز اور ناجائز کا علم موروثی اور طبعی ہوا کرتا ہے، اور یہ کہ ایک انسان کو اسکی ناجائز حرکات کے باعث صحیح طور پر سزا دیجا سکتی ہے، لیکن یہ نظریہ تمام و کمال صحیح نہین، چونکہ انسان کے مختلف طبقات اور زمانہ کے جداگانہ ادوار مین جائز اور ناجائز کا معیار بدلتا رہتا ہے، وہی فعل جو ایک وقت اور ایک مقام مین جائز قرار دیا جاتا ہے، دوسرے مقام مین اسے بدترین جرائم مین شمار کرتے ہین، اسلئے ہم لوگ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہین، کہ جسے ہم لوگ اخلاق سے تعبیر کرتے ہین وہ جائز اور ناجائز اطوار کے کسی موروثی اور طبعی ادراک کا نام نہین، بلکہ وہ ایک حد تک مجلسی و اجتماعی چیز ہے، جو مختلف زمانون اور مقامات مین معاشرانہ ترقی کے مدارج و اقسام کے اعتبار سے تغیر پذیر ہوتا رہتا ہے، کسی کا حقیقی اخلاق بالعموم ماحول کی پیداوار ہے، لیکن یہ مقامی اور عارضی ہوا کرتا ہے، اس سے سیرت پر کوئی مستقل اثر نہین ہوتا،

سیرت مجموعہ ہے، ان قوائے دماغی اور جذبات کا جن سے ذاتی اور قومی انفرادیت کی تعمیر ہوتی ہے، اسے موروثی کہہ سکتے ہین لیکن غالباً جسم کی ہئیت اور شکل کی بہ نسبت اس مین تغیرات کی پذیرائی کا مادہ زیادہ ہے، اسکے عناصر و اجزا مین باہمی خلط و ربط اسقدر گہرے طور پر پایا جاتا ہے، کہ انہین عام اصطلاح مین ازلی سے تعبیر کرسکتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص کی ایک ممتاز انفرادیت ہوتی ہے، جسے ہم خطیبون کی خطابت شعراء کی شاعری، اور ارباب عمل کی ہنگامہ آرائیون مین مطالعہ کرتے ہین،

---

۵۶ نگار بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء ۵۷ Social Environment & Social Progress

وہ دماغی قویٰ جو کسی مرد یا عورت کی سیرت بنانے مین معاون ہوتے ہین، بہت زیادہ ہین ان مین زیادہ مقدار ان قویٰ کی ہے، جو کسی فرد یا قوم کی حفاظت و بقا کے لیئے لازمی ہین اور بعض وہ ہین جو بالکل معاشرانہ اور اخلاقی ہین، یہ آخری دماغی قوتین جنکی وساطت سے ہملوگون کے اندر صداقت، عدل، خیر خواہی کا رجحان پیدا ہوتا ہے، جب حسب مقدار دوسری دماغی قوتون سے ملکر ایک احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے (جسے ہم سیرت صالح، یا اخلاق حسنہ سے تعبیر کرتے ہین) تو اکثر انہین عملی صورت مین دیکھا جاتا ہے، جسے ہیئت اجتماعیہ کا وہ طبقہ جہان ہم بسر کرتے ہین، بہ نظر استحسان دیکھتا ہے، اور یہ پسندیدگی سیرت پر رد عمل کا کام کرتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اسے اس بہتر صورت مین دیکھا جاتا ہے جو حقیقتاً اس مین مفقود ہوتی ہے۔

بعض اوقات چال چلن پر ہمارے رفیقون اور ندیمون کی پسندیدگی کا اثر ایسا مختلف ہوتا ہے کہ اگر نظر استحسان کی یہ خلش اپنا کام نہ کرتی، تو سیرت مین اختلاف لازمی تھا، خصوصیت کیساتھ یہ حالت ہوتی ہوتی ہے، جبکہ اس پسندیدگی سے ثروت، جاہ، اور نفع کی صورتین پیدا ہوتی ہین انسان ان حالات کے ماتحت اپنے تہیجات طبعی کو روک نہین سکتا، اور اپنے باطنی امیال و عواطف کو حقیقت کے خلاف پیش کرتا ہے، ایسے آدمیون کو ہملوگ "ارباب تملق" سے تعبیر کرتے ہین چونکہ یہ لوگ ہیئت اجتماعیہ پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ انکی یہ سیرت بالکل طبعی ہے، حالانکہ وہ نتیجہ ہوا کرتی ہے، اس خیال کا کہ انہین اس ظاہر داری سے کوئی فایدہ ہوگا، اسلیئے تمدن کی ایک بہت ہی پیچیدہ ہیئت مین یہ نہایت دقت طلب امر ہے، کہ ہملوگ صحیح طور پر کسی سیرت کے متعلق اخلاقی یا غیر اخلاقی نیک یا بد کا فیصلہ کر سکین، اسکے برعکس سیرت کی ان ذہنی اور جذبی صورتون مین جبکہ عام ماحول کا اثر نہین ہوتا، اور جبکہ پوشیدہ کرنے کے لئے کوئی طمع نہین ہوتی، ایسی دقت نہین پائی جاتی"

عربی شاعری پر جب اخلاقی نظر ڈالی جاتی ہے، تو ہم اسے فارسی اور اردو شاعری سے متمایز پاتے ہین صرف یہی نہین بلکہ کلام عرب کے مطالعہ کے بعد جب ہم سرسری طور پر اخلاقی نتائج مرتب کرتے ہین تو شعرائے عرب سے ہمین چندان ہمدردی اور موافقت نہین معلوم ہوتی، لہذا ضرورت ہے کہ جب ہم مین شعرائے عرب کے اخلاق اور سیرت کے متعلق کیفیات عذر یا جذبات رد و احتجاج پیدا ہون تو یہ نہین کہ کمالات شاعری کے اعتبار سے کلام عرب کو ناقابل توجہ خیال کرین، بلکہ ولیم جیمس، اور الفریڈرسل ویلس کے نظریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرب کی خصوصیات شاعری پر غور کرین جس مین اخلاق کا اسوۂ حسنہ، خیالات کی سادگی، ظاہر و باطن کا وفاق فکر و احساس کی معصومیت، لہجۂ ادا کی بے تکلفی بدرجہ کمال پائی جاتی ہے۔

عشق و شاعری کا تلازم اور اسکا فلسفہ

علی حزین کے سلسلہ مین مینے اپنا ذاتی خیال کسی قدر بسط سے لکھدیا تھا کہ فارسی کی عشقیہ شاعری خود شعرائے فارس کی خلش عشق کا نتیجہ ہے، یورپ کا ایک ایک مشہور نفسیاتی جیمس فاسٹر اسکاٹ بھی اپنی کتاب " شعور جنسی " مین یہی نظریہ پیش کرتا ہے یعنی جس انسان مین " جمالیات پرستی " کا ذوق سلیم جسقدر زیادہ ہوگا اس مین شاعری کی اہلیت بھی زیادہ ہوگی، فاسٹر اسکاٹ کا تو یہ خیال ہے کہ اگر عشق و محبت کی سحر آفرینی مفقود ہوتی، تو شاعری کا وجود بھی نہوتا، علمائے نفسیات کا خیال ہے، کہ نفس کسی لمحہ مین لذت والم کے احساس سے خالی نہین رہسکتا، غالب جنھین صحیح معنی مین نفسیاتی شاعر کہہ سکتے ہین، اس نظریہ پر اپنے خاص شاعرانہ خیال کا اضافہ کرکے فرماتے ہین۔

غم اگرچہ جان گسل ہے، پہ کہان بچین کہ دل ہے ‏ ‏ ‏ غم عشق اگر نہوتا غم روزگار ہوتا

غالب کا نفسیاتی نظریہ یہ ہے کہ نفس کسی وقت ملال انگیز کیفیات سے خالی نہین رہسکتا، اسلئے وہ " غم عشق " کی حیات فرسا کیفیات کے ساتھ سازگاری پیدا کرنا چاہتے ہین " غم روزگار " انہین تھا یا نہین ؟ اسکا جواب نفسیات کا دوسرا قانون ہے، انگلستان کے مشہور شاعر شکسپیر کے اس نظریہ کے مطابق

(جب نفس کسی بڑے غم مین مبتلا رہتا ہے، تو اسپر چھوٹے چھوٹے ملال انگیز واقعات کا اثر نہین ہوا کرتا) غالب غم عشق مین مبتلا تھے، اسلئے " غم روزگار " سے جو عشق کی اثر آفرینی کے مقابل مین پست درجہ رکھتا ہے، وہ بالکل غیر ملتفت ہوگئے اگر غم عشق جاتا رہے، تو جبتک سینہ حضرت دل کا کاشانہ ہے، نفس کسی نہ کسی پرملال کیفیت مین مبتلا ضرور رہیگا، غالباً جرمنی کا مشہور شاعر گوئٹے بھی " فلسفہ غم " کے متعلق یہی عقیدہ رکھتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اسکی زندگی عہد طالبعلمی سے وسط حیوٰۃ تک جمالیات پرستی اور دلفروشی کے لئے وقف رہی جسکے لئے انگلستان کے اکثر " زاہدان خشک " اسکی وفات کے بعد بھی اس سے ناراض ہین، ساتوین صدی کے سب سے بڑے صوفی شاعر حضرت رومی بھی " حلاوت غم " کے معتقد تھے۔

بہ گداز ماہ منگر بہ گستگی زہرہ ‏ ‏ ‏ تو " حلاوت غمش " بین کہ یکے ہزار بادا

عہد اکبری اور عادلشاہی کے مشہور فارسی شاعر، نورالدین ظہوری ترشیزی کا بھی یہی خیال ہے۔

یا ظہوری چہ خوش برامد غم ‏ ‏ ‏ اے خوشا عیش جاودانۂ ما

جیمس فاسٹر اسکاٹ کے نظریات عشقیہ حسب ذیل ہین :-

" مادر فطرت کی بڑی کوشش یہ ہے کہ زندہ ہستیون سے کرۂ ارض کو آباد کرے، اور فطرت کی خصوصیات نقش و طراز سے آراستہ کرے، ان دو نو اغراض کے تکملہ کے لئے فطرت اپنی سعی بہیم مین مشغول ہے، اور اس وجہ سے کہ اصناف و انواع کا سلسلہ جاری رہے ہر نوع مین قدرتی طور پر تخلیقی عناصر ودیعت کئے گئے ہین، جنکا نام ہی

"شعور حیاتیہ" ذوق جنسیہ، اور جنھیں ہم صاف الفاظ مین "محبت جنسی" کہتے ہین"

لیٹورنیو کہتا ہے، یہی طبعی فرط محبت ازدواجی اور عائلی زندگی کا سبب اولین ہے، حیاتیات کے نقطۂ نظر سے وجود محبت کا سبب سادہ طور پر یہ ہے کہ دو چھوٹے چھوٹے جراثیم تخلیقی مین مرابطہ اور اتصال پیدا ہو جائے۔ ہمارے دماغ مین عشق محبت کی دنیا سے اور جتنے محاسن کے اسباب متعلق ہین وہ گویا اس مرکز کی مختلف شاخین ہین، اور یقیناً تمام محرکات الفت مین غیر شعوری طور پر یہی غرض پنہان ہوا کرتی ہے، شعور جنسی حقیقی ازدواجی زندگی کا سنگ بنیاد ہے، اور جہان جنس مقابل کے دو افراد مین جنسی کشش نہین وہان "عشق افلاطونی" (Platonic love) کے سوا کوئی چیز نہین جس کو عشق کے بجائے دوستی سے تعبیر کر سکتے ہین۔

جانورون مین اس قانون کا اظہار عمومیت کے درجہ سے متجاوز ہے، اور اس اختلاف رجحان کی مثالین جن مین صرف شہوت پرستی پائی جاتی ہے، انکے درمیان ایک استثنائی پہلو رکھتی ہے، اسی طرح بعض آدمی آسانی سے بازاری عورتون کے ساتھ "محبت بہیمیہ" پیدا کر لیتے ہین لیکن اسمین اور ایک شریفانہ محبت مین بعد المشرقین ہے۔

شعور جنسی مرد و عورت کو باہم محبت کرنیکی ترغیب دیتا ہے، ان سے ازدواجی زندگی، آبادی مکان اور پیدا ہونے والی اولاد کیلئے پرورش و پرداخت کا انتظام کراتا ہے، اور یہ احساسات جنسی زندگی کے بہت سے امیال و عواطف پر رہنمایانہ اثر ڈالتے ہین، جنھین ہمارا مذہب، ہماری ادبیات، ہمارا علم و فن شامل ہین، اگر انسان اس تخلیقی شعور یا دماغی طور پر جو کچھ اس سے پیدا ہوتا ہے، محروم کر دیا جاتا تو تقریباً ہماری کل شاعری اور غالباً ہماری تمام حسیات اخلاقی بھی ہماری زندگی سے علٰحدہ ہو جاتین غالب نے اپنے ایک شعر مین اسی نفسیاتی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

تھی وہ ایک شخص کے تصور سے

اب وہ رعنائی خیال کہان

محبت جنسیہ کی خواہشون کا حصول جو ایک قانون فطرت ہے حقیقتاً اک پاک اور عفیف تعلق ہے اگر جنس و نوع کے تحفظ کا خیال ملحوظ رہے اور ازدواجی زندگی پیش نظر ہو لیکن اگر یہ نہین ہے تو ایسے افراد بہائم کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہین،

عشق و محبت صرف اس وقت معقول پہلو رکھتی ہے، جب حافظہ کے اندر ناپاک تاثرات کا اثر موجود نہو، اور جب عورت اور مرد آپس مین روح و جسم دونو اعتبار سے ایک دوسرے کے طالب ہون،

اس محبت سے بہجت و انبساط حاصل ہوتا ہے، اور یہ نتیجہ ہے اس ادراک صحیح کا کہ مرد عورت کی سب سے بڑی اہلیت یہ ہے، کہ ان سے خلقت و آفرینش کا سلسلہ جاری رہے، اور اس ایقان کامل کا کہ یہ کرشمہ عشق کسی اخلاقی یا جسمی معصیت سے ملوث نہین۔

مرد کے اندر علاقہ جنسی کی خواہش عورت کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتی ہے، اسلئے عشق و محبت مین اقدام طبقہ ذکور کا طغرائے امتیاز ہے، لیکن جہان تک جنسیت کی خلش افکار کا تعلق ہے، قدرت نے عورتون کے اندر زیادہ اہمیت پنہان رکھی ہے، اور وہ خصوصیت جسمیہ کے اعتبار سے مخلوقات مین سب سے جلیل القدر ہستی ہے۔

شہوانی خیالات مرد کے اندر زیادہ محکم ہوتے ہین اور فطرتاً ایک مرد کی محبت عورت کی طرح زیادہ گہری نہین ہوتی، عورت کے نزدیک عشق نام ہے کلیات زندگی کا مرد کے نزدیک عشق تعبیر ہے، زندگی کے ایک بہترین نشاط سے، جیسا کہ میڈیم ڈی اسٹائیل کا مقولہ ہے کہ "عشق حیات نسوانی کی تاریخ ہے، اور مرد کی زندگی کا محض افسانہ ہے" عورت کے فسانۂ عشق کی اس سے بہتر تعریف نہین ہوسکتی، جو عرفی نے بیان کی ہے ؎

گمان مبر کہ دلم را توان تسلی داد — کہ نا رمیدہ تر از زخمہائے ناسورم

ایک عورت کی حقیقی محبت کو ٹھیس لگنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کے اوراق حیات کا شیرازہ بکھر گیا ؎

من و شمع صبحگاہی سزد ار بہم بگرییم — کہ بسوختیم و از ما بت ما فراغ دارد

اسکے برعکس مرد کے اندر یہ استعداد موجود رہتی ہے کہ وہ اس صدمہ سے جانبر ہوکر دوسرا مطمح نظر قایم کرے البتہ اگر شہوت پرستی کے باعث اس مین نسائی کمزوری پیدا ہوجائے گی تو وہ ایک عورت ہی کی طرح اپنی تباہی کا سامان پیدا کرلیگا۔ عورت خصوصیت کیساتھ مرد کی روح سے اسکے افکار و خیالات سے اور اس کے صفائے قلب سے محبت رکھتی ہے، جب وہ صاحب اولاد ہوتی ہے، تو اس محبت کو، اپنے شوہر اور بچون کے درمیان مین تقسیم کردیتی ہے، عورت کے اوپر شعور جنسی کا اثر بہت گہرا ہوتا ہے، اسکی ایک وجہ یہ ہے، کہ اسکے نزدیک صرف اسکا شوہر ہی اسکی خواہش جنسی کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔

جو مرد خواہشات کے بندے ہین یا شعور جنسی کی ہوس رانیون مین مبتلا ہین، اور جنہون نے لطائف جنسی کو امراض سے تباہ کرلیا ہے، وہ حقیقی عشق کی صلاحیت نہین رکھتے، ایسے افراد کو عالم نسوان کی خصوصیات مین صرف ہوس رانی نفس پرستی نظر آتی ہے اور ان کے جذبات کو قیام نہین ؎

فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے — ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

عشق کی ایک اور قسم ہے جسے "عشق خیالی" (Romantic love) کہتے ہین، اسمین ایک

خاص قسم کی وحشت پائی جاتی ہے، یہ بالکل غیر فطری قسم ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا مبتلا کسی دماغی مرض مین گرفتار ہے ایسا شخص شاذ و نادر، ازدواجی زندگی اختیار کرتا ہے اور وہ عشق و محبت کی اُس دنیا مین رہتا ہے جہان سوائے واہمہ پرستی و خیال پرستی کے اور کچھ نظر نہین آتا۔ لیکن ان تہیجات کو عشق حقیقی سے کوئی تعلق نہین ایسی صورتون مین جب تخئیل مردہ ہوتی ہے تو عشق بھی فنا ہو جاتا ہے "حقیقی عشق" اس شعور جنسی کا نیتجہ ہے، جو شہوت رانیون سے پاک ہو، حقیقی عشق روحون کو ایک دوسرے سے ایسا وابستہ کردیتا ہے، کہ ایک شخص اپنی جان کو دوسرے کے لئے بلا پس و پیش انتہائی درجہ کی صبر آزما مصیبتون کے حوالہ کردیتا ہے، ایک عورت کی پاکدامنی، اعتماد گزینی اور اطاعت شعاری کا مقتضا یہ ہے کہ وہ خود کو جس ہستی سے وابستہ کرتی ہے، اسکی طرف سے اپنی روح کے اندر ایک پُر اعتماد محبت کا جذبہ محسوس کرتی ہے اور جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ کوئی ہستی اسکی محبت مین مبتلا ہے، تو وہ اپنا ایمان بھی اسپر نثار کردیتی ہے علی حزین نے عشق نسائی کے اسی فلسفہ کی طرف اشارہ کیا ہے، سہ

زخود تہی شدہ ام چون نے و زنالہ پُرم　　　خروش درد تو پیچیدہ در گلوست مرا

قدیم عربونکی شاعری مین (بہ استثنائے امرؤ القیس) حسن و عشق کے افسانے جو فاسٹر اسکاٹ کے نظریہ مین شعور جنسی کی لطافت احساس کا نیتجہ ہین، نہایت سادہ بے تکلف اور فطری معلوم ہوتے ہین فارسی شعرا کی طرح انمین مبالغہ اور افراط نہیں پایا جاتا، وہ اپنی کیفیات باطن کو بے کم و کاست بیان کردیتے ہین اس مین شک نہین انہون نے ماحول کے دلکش مناظر سے استفادہ کرکے اپنی محبوبہ کے لئے عمدہ عمدہ تشبیہات وضع کین، لیکن اہل فارس کی طرح انکے کلام مین تصنع اور آورد نہین، وہ بارگاہ حسن و عشق مین قربانیان کرنے کے عادی ہین، لیکن انکے جنون محبت اور وارفتگی مین بھی صداقت و حق گوئی کا ارتباط موجود ہے، عربی اور فارسی شاعری کا یہ امتیاز عہد اموی اور عباسی مین باقی نہین رہتا، عربی شاعری کی یہ خصوصیت صرف شعرائے جاہلی اور مخضرمی کے کلام مین پائی جاتی ہے۔" (باقی)

عبد المالک (آروی)

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اُردو زبان مین بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے صحیح کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس کی زبان اسکی تخییل اسکی نزاکت بیان، اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشار عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہونچتی ہے۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ایک روپیہ (عہ)

مینیجر نگار۔ نظیر آباد لکھنؤ

شاہ نظام الدین اولیاء کی ایک عجیب و غریب تصنیف

اور

روایت احادیث کا ایک فتنۂ بے پایان

آج ہم جس کتاب کا تعارف قارئین نگار سے کرانا چاہتے ہین، اسکی تعریف اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ۔

"این جواہر گنج الہام ربانی و این زواہر فصل علوم سبحانی کہ از زبان دربار و لسان گوہر نثار سلطان المشایخ شیخ شیوخ العالم قطب علامۃ الدنیا بدر الطریقہ برہان الحقیقۃ سید العابدین بدر العارفین عمدۃ الابرار قدوۃ الاخیار تاج الاصفیا سراج الاولیا ملک السالکین برہان العاشقین فرید الحق والشرع والدین متع اللہ المسلمین بطول بقائہ جمع کردہ شد وانچہ ازان تاج الصالحین از عین لفظ ایشان بہ سمع میرسد درین مجموعہ کہ نام اوست راحۃ القلوب بنشتہ آمد بتوفیق اللہ تعالےٰ"

مختصراً یون سمجھیئے کہ یہ کتاب بابا فرید شکر گنج کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کی ترتیب حضرت نظام الدین اولیا نے ۱۵ رجب روز چہارشنبہ ۶۵۵ھ سے شروع کی تھی، حضرت نظام الدین اولیا اس کتاب مین ایک جگہ ارشاد فرماتے ہین:۔

"دعاگوے مسلمانان کہ یکے از سلکِ بندگان سلطان الطریقہ فی الارضین ہست نظام الدین احمد بدایونی کہ جامع این معانی است سعادت پائے بوس سید العابدین حاصل کرد ہمانا کلاہ چہار ترکی کہ دولت دین و دنیا بر فرق اوست بہ دست مبارک خود فرود اوردہ و بر سر دعاگوے نہاد و خرقہ خاص و نعلین چوبین عطا کرد۔ والحمد للہ علیٰ ذلک"

سلطان الطریقہ فی الارضین و سید العابدین کا اشارہ حضرت بابا فرید شکر گنج کی طرف ہے حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت بابا فرید شکر گنج کی جو قدر و منزلت ہندوستان مین ہے اس کو سامنے رکھکر جب مین نے اس کا مطالعہ کیا تو سب سے پہلے یہ خدشہ میرے دل مین پیدا ہوا کہ یہ کتاب[1] جعلی تو نہین۔ مگر جب مین نے جا بجا حضرت نظام الدین اولیا کے معاصرانہ واقعات مغلون کی دست برد کے دیکھے اور انکے معاصرین کے بہت سے نام پائے اور فارسی عبارت مین بھی وہ ہندوستانیت نہین دیکھی جو ابو الفضل و فیضی کے بعد پیدا ہوئی ہے تو میرے پاس کوئی بڑی وجہ شک کرنے کی باقی نہ رہگئی۔ اگرچہ اس مین بعض ایسے واقعات کا ذکر ہے جو صریحاً خلاف واقعہ و تاریخ ہین مگر چونکہ وہ واقعات ہندوستان کے باہر کے ہین اس لئے

---

[1] اسکا نام راحت القلوب ہے لیکن مجھے اس کا علم نہین کہ چھپ کر شائع ہو گئی ہے یا نہین۔ بہرحال جو نسخہ مجھے دستیاب ہوا ہے وہ قلمی ہے اور بہت زمانہ کا لکھا ہوا ہے۔ اور اس کو دیکھ کر مین نے یہ تنقید کی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اسکی تحقیق ہندوستان والون کو اس زمانے مین نہ ہوئی ہو۔

چنانچہ کتاب مین دو جگہ بہ سلسلہ کرامات اولیاء اللہ مغلون کے حملہ یمن کا ذکر آیا ہے جو بالکل خلاف واقعہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یمین تحریری غلطی ہو اور یہ کسی ایسی جگہ کا نام ہو جو یمن سے لفظی مشابہت رکھتا ہو ایک جگہ دمشق پر مغلون کے دخل پانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ پہلا حملہ دمشق پر تیمور کے مغلون نے کیا تھا جو نظام الدین اولیا کے دو سو برس بعد کا واقعہ ہے۔

ساری کتاب عجیب و غریب باتون سے پر ہے اور بزرگون کے کرامات اور خصوصاً انکے مجاہدۂ نفسی کے نہایت عجیب غریب واقعات درج ہین بعض جگہ بابا فرید اپنے بغداد کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے وہان کے پہاڑون کا حال بیان کرتے ہین حالانکہ وہان پہاڑ کوئی بھی نہین ہے۔ بہر حال اسوقت مجھے اپنی توجہ ان بے شمار حدیثون کی طرف مبذول کرنی ہے۔ جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔ مین اپنے کو حدیث کا عالم نہین کہتا مگر خدا نے میرے دماغ مین ایسی صلاحیت پیدا کی ہے کہ جب مین کسی کتاب کو غور سے دیکھ لیتا ہون تو اسکے نفس مضمون کو بہت کم فراموش کرتا ہون حدیث کا مطالعہ ایک عامی کی حیثیت سے مین نے بہت کافی کیا ہے اور اگر کوئی کسی حدیث کے متعلق یہ کہدے کہ فلان کتاب مین ہے تو مین اسکی تصدیق و تکذیب بغیر کتاب دیکھے کر سکتا ہون اسواسطے مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا جب مین نے دیکھا کہ اس کتاب مین ایک حدیث بھی ایسی نہین جو موضوعات ہی مین پائی جاتی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ گنجینۂ حقیقت و معرفت در حقیقت واقعی بابا فرید شکر گنج کے ارشادات کا مجموعہ ہے جسے نظام الدین اولیا نے مرتب کیا تو کیا ایسی بے سر و پا باتون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا درست ہو گا۔ اگر کہا جائے کہ اس قسم کی احادیث محض نیک نیتی سے مسلمانون کے اصلاح کی غرض کے لئے وضع کی گئی تھین تو بھی ایسی دور از عقل باتون کو بلا تکلف و بلا سند حدیث قدسی بنا کر پیش کرنا کسی طرح روا نہین ہو سکتا۔ امام غزالی بھی اس مصلحت کوشی کے عادی تھے۔ چنانچہ ایک مصری فاضل نے نہایت محنت سے احیاء العلوم کی حدیثون کے لئے اسناد ڈھونڈنے کی سعی نا مشکور کی ہے تاکہ غزالی کے سر سے الزام رفع ہو جائے۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے وصال کے دو صدی بعد وضع حدیث کا جو فتنہ اٹھا تھا وہ حضرت بابا فرید شکر گنج کے زمانہ تک بند نہ ہوا۔ اور موضوع حدیثون کا اتنا بڑا انبار جمع ہو گیا کہ اس نے قرآن کو بالکل محو کر دیا مین اس مضمون مین چند حدیثین ہو بہو نقل کرتا ہون۔ اور قارئین کی رائے پر اسکا فیصلہ چھوڑتا ہون۔ بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ ساری کتاب مین ایک بھی صحیح حدیث کہین نظر نہین آتی اور ایک جگہ تو یہ غضب کیا ہے کہ قرآن کی بعض آیات کی تفسیر مین وہب بن منبہ کی طرف سے ایسے بے سر و پا باتین لکھدی ہین کہ اُن کی غریب وہب کے فرشتون کو بھی خبر نہ ہوگی۔ ایک جگہ سورہ مائدہ کی آیت "اللھم انزل لنا مائدۃ من السماء لاولنا و آخرنا" کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ یہ مائدہ امت موسیٰ پر نازل ہوا۔ ممکن ہو کوئی یہ کہے کہ غلطی سے بجائے "عیسیٰ" کے موسیٰ لکھ گیا ہو سوا اس کو حسن ظن کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بعض اقتباسات ملاحظہ ہون:۔

۱- بر لفظ مبارک راند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در شب معراج خرقہ یافتہ بود و انچنان بود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از معراج باز گشت۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم را پیش خواند و فرمود من خرقہ از پروردگار خود یافتم مرا اذن ست کہ این را بہ یکے از شما بدہم۔ سخن از شما خواہم پرسید تا کدام کسے از شما جواب باصواب دہد تا خرقہ دہم اول رو بسوے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرد و گفت یا ابا بکر اگر این خرقہ بتو دہم چہ کنی گفت یا رسول اللہ صدق ورزم و طاعت خدائے تعالیٰ کنم وانچہ پیش من از مال و منال دنیاے دنی باشد جملہ در راہ خدا تعالیٰ صرف کنم بعد ازان روے بہ امیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ عنہ آورد کہ یا عمر اگر این خرقہ ترا دہم چہ کنی۔ گفت یا رسول اللہ اگر این خرقہ مرا دہی عدل کنم و بایندگان خدا انصاف ورزم و داد مظلومان بدہم۔ بعد ازان روے بامیر المومنین عثمان رضی اللہ کرد کہ یا عثمان اگر این خرقہ بتو دہم چہ کنی گفت یا رسول اللہ اگر این خرقہ مرا دہی بہ اتفاق یکدیگر کار کنم۔ انچہ حق باشد بجا آرم و حیا ورزم و سخاوت کنم۔ بعد ازان روے بہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کرد کہ یا علی اگر این خرقہ بتو دہم چہ کنی گفت یا رسول اللہ اگر این خرقہ مرا دہی پردہ پوشی کنم و عیب بندگان خدائے تعالےٰ پنہان سازم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود لبستان علی این خرقہ بہ تو را دہم و مرا فرمان حضرت عزت ہمین بود کہ ہر کدام از یاران تو این جواب دہد خرقہ بدو دہی"۔ اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد شیخ الاسلام روتے روتے حسب معمول بے ہوش ہوجاتے ہیں اور جب ہوش میں آتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ "درویشی پردہ پوشی ہست"۔ یہ ہے تصوف کی تاریخ تکوین ۔۔۔ اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ذکر میں خلافت مابعد کی ترتیب کیوں قایم رکھی گئی۔ تو آپ وہ بے شمار حدیثیں ملاحظہ فرمایئے جو حضرت شاہ ولی اللہ ایسے متکلم نے بھی ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا میں بیان کی ہیں۔

۲- سخن در دنیا می ارفت بر لفظ مبارک راند کہ در حدیث است از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ" یعنی دوستی دنیا سر ہمہ خطا است۔ انگاہ فرمود "قال اہل المعرفۃ من ترک الدنیا ملک ومن اخذہا ہلک"

معلوم نہیں یہ حدیث کہاں ہے۔ البتہ خدا کا یہ ارشاد ضرور معلوم ہے کہ "دنیا کی نعمتوں کو تم پر کسنے حرام کیا"۔ اور یقیناً رسول اللہ بھی قرآن کی اس تعلیم سے ناواقف نہ تھے۔

۳- بعد ازان فرمود کہ در خبر ست از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ امشب (یعنی شب معراج) از آسمان ہفتاد ہزار فرشتہ مقرب با طبقہائے پر از نور فرود می آید و درون ہر خانہ در روند ہر کس کہ این شب را زندہ داشتہ باشد و از معاصی دور بود فرمان رب العزت والجلال چنان می شود کہ بر سرہائے ایشان این طبقہائے نور نثار کنند"

یہ انھیں لغو و مہمل روایات میں سے ایک روایت ہے جو اسلام کے اندر "علم الاصنام" پیدا کرنے کی

ذمہ دار سمجھی جاتی ہیں۔

۴۔ ابوہریرہ کی ایک مشہور حدیث ہے جو بعض کتب حدیث میں نظر آتی ہے مگر روایت و درایت سے اس کی لغویت[۱] ثابت ہو چکی ہے۔ اس حدیث کا ذکر اس طرح ہوتا ہے:۔

"انگاہ ہم درین میان غلبات شوق فرمود کہ چون ایام عمر مہتر موسیٰ صلوٰت اللہ وسلام علیہ بسر آمد۔ روزے در راہ میگزشت و چون مستان میخرامید کہ بالملک الموت ملاقات شد۔ سلام کرد جواب سلام باز داد پرسید کہ تو کیستی گفت ملک الموت۔ مہتر موسیٰ در شوق و اشتیاق بود۔ دست بر آورد و طپانچہ بر روے ملک الموت چنان زد کہ از پیش موسیٰ علیہ السلام بگریخت (حدیث مسند احمد میں کانے ہونے کا ذکر ہے) گفت بار و گر نیایم چون ملک الموت بمقام خود باز آمد سر بسجدہ نہاد۔ گفت الٰہی مرا بر کسے فرستادی کہ اگر از پیش او نمی گریختم مرا ہلاک کردے (یا للعجب۔ ملک الموت کو خود اپنی ہلاکت کا اندیشہ) انگاہ خطاب آمد کہ اے ملک الموت تا بہ دانی کہ میان محبان غیرے کار ندارد و ما دانیم و دوست ما۔ بعد ازان مہتر موسیٰ روز دوم نماز گذاردہ مستقبل قبلہ در بیت المقدس نشستہ بود (کیا خوب تاریخ ہے۔ کہاں جناب موسیٰ اور کہاں بیت المقدس جو ان سے ایکہزار سال بعد حضرت داؤد کے زمانے میں تعمیر ہوا) مہتر جبرئیل علیہ السلام در آمد و سلام کرد بعد از سلام صلوٰۃ فرستاد۔ سیبے از بہشت آوردہ بود بدست مہتر موسیٰ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام داد (بالکل یہی واقعہ ذوالنون مصری کے نسبت بھی بیان کیا گیا ہے) آن سیب را بوے کرد بوے دوست از سیب در دماغ او برفت نعرہ بزد و جان بداد"۔ اسکے بعد شیخ الاسلام حسب معمول روتے ہیں اور رولاتے ہیں اور پھر بے ہوش ہو جاتے ہیں

۵۔ ازان سخن در این افتادہ بود کہ خواجہ عبد اللہ ابن مسعود کوتاہ بالا بود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در حق او فرمودہ اند۔ کینفتہ العلم یعنی خریطہ علم۔ (میرے پاس فون کریم کی تصحیح کی ہوئی اصابہ بھی ہے اور کامل ابن اثیر اور اسد الغابہ بھی۔ مگر ان میں کہیں انکا ذکر نہیں)

بعد ازان فرمود کہ وقتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میخواست کہ نماز بگزارد۔ و ہیچکس حاضر نبود مگر عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ دست او گرفت و برابر خود آورد و بایستانید چون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہاں کی عبارت کرم خوردہ ہو گئی ہے۔ شاید برائے نماز دست بر بست" ہو گا عبد اللہ ابن عباس از مقام خود پستر آمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نماز بشکست (کہاں ہیں صاحب ہدایہ اور دیگر علماء فقہ و شریعت)۔

---

[۱] قال الرازی: انہ علیہ السلام حکی ذلک عن الیہود لانہ حکاہ عن اللہ تعالیٰ او عن نفسہ والرسول علیہ السلام کان قد ذکر ہذہ الحکایۃ الا ان الراوی حین دخل ما سمع ہذا الکلام فظن انہ علیہ السلام ذکرہ عن نفسہ لا عن الیہود۔ ۱۲

دست او بگرفت و برابر خود بایستانید و نماز شروع کرد۔ باز عبداللہ رضی اللہ عنہ از جائے پستر آمد تا دو سہ بار ہم چنین کرد بعد از ان حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ چرا پستر میروی گفت مرا چہ زہرہ است کہ برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایستم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را حسن ادب او خوش آمد در حق او دعا کرد

ابن عباس کی ایک روایت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ ایک رات جب وہ اپنی پھوپھی میمونہ کے ہان سو رہے تھے تو رسول اللہ اٹھے اور وضو کیا۔ ابن عباس بھی جاگ رہے تھے۔ کم سن بچے تھے۔ انھون نے بھی شوق مین وضو کیا اور آپکے ساتھ نماز مین شریک ہو گئے تو رسول اللہ نے انکو اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ مگر جو انداز بیان شیخ الاسلام کا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

۷۔ انگاہ بر لفظ مبارک راند کہ در حدیث آمدہ است از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بدرستی دراستی علم و عقل بردو شریک یکدگر اند زیرا چہ عقل را چارہ نیست از علم پس فاضل ترین مردمان کیست کہ خود را بشناسد۔ پس درین صورت عقل مختار است

۸۔ فرمود کہ وقتے در عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتے دو بچہ زائید متصل۔ در حضرت رسول عرضداشتہ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما تا از یکدگر جدا شوند۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در تفکر بود کہ درین اثنا جبرئیل علیہ السلام فرود آمد و گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمان می شود کہ یک شانہ راست کنید و آن شانہ در سر ہر دو بگردانید۔ بفرمان خدائے عزوجل از ہم جدا خواہند شد رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہر دید و چنین بکنید۔ یک شانہ در سر ہر دو کردند بعد چند روز از یکدگر جدا شدند

۹۔ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز بر روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آمدہ است کہ دو رکعت نماز در اول شب ماہ ذی الحجہ بگزارد و در رکعت اول فاتحہ یکبار و سہ ایت از سورہ انعام و در رکعت دوم فاتحہ یکبار و قل یا ایہا الکفرون یکبار بخواند۔ حق سبحانہ تعالی ثواب حج کنندگان در نامہ اعمال بنویسد

۱۰۔ دہم درین محل فرمود کہ از وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ آمدہ است کہ حق سبحانہ تعالی ہدیہ فرستاد بر مہتر موسی علیہ السلام مہتر جبرئیل ہدیہ آورد و گفت اے موسی ہر کہ در ایام عشرہ ذی الحجہ درین دہ روز این کلمات بگوید چنانست کہ دوازدہ ہزار بار توریت خواندہ باشد و گویند این کلمات را دہ ہزار نیکی در نامہ اعمال بنویسند و دہ ہزار بدی دور کنند و ہزار فرشتہ صلوات گویند و عمل او از اہل زمین فاضل تر باشد۔

اسکے بعد شیخ الاسلام نے دو صفحون مین بعض کلمات کے پڑھنے سے ایسی ایسی نیکیون کا ملنا ظاہر کیا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے "شیخ الاسلام قدس سرہ بر لفظ مبارک راند کہ در عوارف شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز بروایت حنفیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالی نوشتہ دیدم

کہ این کلمات در انجیل منزل بود از آسمان ۔ تا بینا از برکت این بینا می شود و نور می آبنید کہ از آسمان فرود می آید
"افسوس کہ وہ انجیل سوائے فقیہ ابو اللیث کے کسی کی نظر سے نہیں گزری جس کو سوائے اپنی بدبختی اور کوربینی
کے اور کیا کہا جا سکتا ہے)۔

۱۱۔ روزے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ بودند و صحابہ رضی اللہ عنہ گرد بر گرد ۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ طرف
راست بود ۔ جوانے بیاید و سلام کرد ۔ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمان داد کہ بالاتر ابوبکر صدیق بنشین ۔ ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ متامل شد ۔ یاران دانستند مگر مہتر جبرئیل علیہ السلام است وگرنہ ہیچ یارے را محل آن
نباشد کہ بالاتر از ابوبکر رضی اللہ عنہ بہ نشیند ۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم روے مبارک سوے ابوبکر صدیق کرد
وگفت این مردے است آنقدر درود بر من میفرستد کہ ہیچ کس نمی تواند فرستاد ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ گفت یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم مگر این جوان آب و طعام نمی خورد و بہ ہیچ مصلحت دیگر مشغول نمی شود بجز درود مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم ۔ فرمود کہ طعام و شراب نیز می خورد و بمصالح خود مشغول می شود اما یکبار در و روز و یک بارہ شب بر من
این درود میفرستد ہم بطریق بالا"۔

اللہ اکبر ۔ کتنا زبردست عمل علوی ہے ۔ اور اس پر بھی اگر کوئی شخص ابوبکر صدیق سے نہ بڑھ جائے تو اسکی بدبختی پر افسوس کرنا
چاہئے ۔

۱۲۔ وسخن در آیۃ الکرسی افتادہ بود ۔ بر لفظ مبارک راند آن روز کہ آیۃ الکرسی نازل شد ہفتاد ہزار فرشتہ مقرب گرد بر گرد کرسی
میباشند برابر مہتر جبرئیل علیہ السلام در خدمت حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرود آمدند وگفتند ۔ پیستان پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم باہزار اعزاز و اکرام بتاند و بر سر و دیدہ نہاد ۔ جبرئیل گفت یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمان
می شود کہ ہر آن بندہ از بندگان سورہ آیۃ الکرسی کہ مقرر ست بخواند بر ہر حرفے کی در این آیۃ ہست ۔ پس بہر حرف
ہزار سالہ ثواب بنام او ثبت فرماید و ہزار فرشتہ گرد بر کرسی اند خوانندہ این را ہزار ثواب ایشان بدہند و او را از مقربان
خود گردانند ۔ بعد ازان شیخ الاسلام ہم در این محل فرمود کہ در فتاوی ظہیری نوشتہ است کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ
وسلم نوشتہ است کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است ہر کہ آیت کرسی بخواند و از خانہ بر آید ۔ حضرت عزت
فرمان دہد ہفتاد ہزار فرشتہ را تا آن زمان کہ آن بندہ باز آید برائے او آمرزش خوانند ۔ اسکے بعد بحوالہ شیخ الاسلام
قطب الدین بختیار اوشی اور جامع الحکایات آیات الکرسی کے اور بھی طلسماتی اثرات گنائے گئے ہیں ۔

۱۳۔ بعد ازان فرمود کہ وقتے امیر المومنین کرم اللہ وجہ در جنگ غول بیابانی ماندہ بود و بجان رسیدہ بر رسول صلی اللہ
علیہ وسلم مکتوب نوشت کہ جملہ حیلہا کردم و آنچہ شرط جنگ است بجا آوردم چون این مکتوب بحضرت رسالت صلی اللہ
علیہ وسلم آمد از صد دل تنگ شد ۔ در حال جبرئیل علیہ السلام این آیۃ آورد ۔ "ربنا اخرجنا من ہذہ القریۃ

الظالم اہلہا تا آخر" داین آیۃ را بہ علی بفرست تا آن را ملازمت نماید حق تعالی از برکت این آیہ مظفر و منصور گردانید رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمین آیت و تفسیر آن بر شاہ مردان علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ فرستادہ شاد شد۔ واین آیۃ را ملازمت نمود۔ ودوم روز جنگ کرد۔ آن غول را زندہ گرفت ودر مدینہ آورد۔ اما این فتح از برکت این آیۃ بود۔
(کمال ہین جناب واقدی رحمۃ اللہ علیہ جنھون نے اس کا تذکرہ نہین کیا)

۱۴- در حدیث آمدہ است " من صام یوم عاشورا فکانما صام الدہر" یعنی ہر کہ روز عاشورا را روزہ بدارد وبدرستی دراستی، تمام سال روزہ داشتہ باشد۔ آنگاہ ہم درین محل فرمود کہ در روزہ عاشورا آہوان دشتی بدستی خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرزندان خود را شیر نمی دہند پس چرا باشد کہ روزہ را نگاہ ندارند۔
(کتاب کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونون بزرگون کو مغالطہ تھا کہ یوم عاشورا کا روزہ امام حسین کی یاد مین رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ بزرگ بخاری کو پڑھ لیتے تو یہ غلط فہمی رفع ہو جاتی)

۱۵- ہم درین محل فرمود کہ وقتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با جمیع صحابۂ کبار نشستہ بود۔ حضرت معاویہ یزید پلید را بر کتف سوار کردہ میرفت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کرد وگفت سبحان اللہ دوزخی بر کتف بہشتی سوار میرود۔ این سخن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ بشنید از آن حال پرسید کہ یا رسول اللہ پسر معاویہ است دوزخی از کجا است گفت یا علی این یزید بدبخت کسے ست کہ حسن وحسین وتمامی آل مرا بہ شہادت رساند وبکشد۔ علی برخاست وتیغ از نیام برکشید تا ایشان را بہ کشد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانع شد کہ یا علی مکن کہ تقدیر خدائے تعالی برین رفتہ است۔ علی بگریست یا رسول اللہ شما بر سر باشید فرمود نے۔ گفت از یاران کسے باشد۔ گفت نے۔ گفت فاطمہ باشد فرمود نے۔ گفت یا رسول اللہ ماتم غریبان من کہ خواہد داشت گفت امثال من۔ بعد از ان علی رضی اللہ عنہ ورسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہر دو بگریستند وشاہزادگان را در کنار گرفتند ونعرہ زدند کہ اے غریبان نمیدانیم کہ مال شما دران دشت چگونہ خواہد بود

۱۶- فرمود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از جبرئیل علیہ السلام این حکایت پرسید چون از ما کسے نباشد تعزیت ایشان (یعنی امام حسین) کہ دارد گفت یا رسول اللہ امتیان تو از برائے فرزندان تو تعزیتہا کنند (یہ ہے جواز تعزیہ داری کا، ہمارے علما بکتے ہین جو اسکے خلاف فتوی دے رہے ہین) و ماتم دارند کہ حقیقت آن بر زبان نیاید وشرح نتوان کرد (ایران کا ماتم تلوارون وزنجیرون سے دیکھنے کے بعد اسکی شرح بیان کیجا سکتی ہے)

۱۷- حکایت در ماہ صفر ختم اللہ بالخیر والظفر افتادہ بود۔ بر لفظ مبارک راند گران ماہے وصعب شہرے ست زیرا چہ چون ماہ صفر بودے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنگدل شدے وچون بیرون آمدے شاد گشتے۔ این تغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از سبب گرانی ماہ صفر بودے واز حد گران ست۔ بعد از ان ہم درین محل فرمود کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم منبر نمایندہر کہ بگزشتن ماہ صفر بشارت دہد بہ من او را بشارت دہم بدر آمدن بہشت کما قال علیہ السلام۔ من بشرنی بخروج الصفر انا بشرہ بدخول الجنۃ بعد ازین ہم درین محل فرمود حق تعالیٰ در ہر سال وہ لاک وہشتاد ہزار بلا از آسمان منزل میکند الا درین ماہ نہ لک وبست ہزار بلا فرو می آید"

الغرض اس قسم کی لغو روایات سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔

ہمارے ملا علی قاری نے جنکے متعلق کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہوئے کیسی خدالگتی بات کہی ہے کہ

"جو اسرائیلیات مین نظر رکھتے تھے (جیسے عبد اللہ بن سلام و عبد اللہ بن عمر) انکو یرموک سے بہت سی کتابین اہل کتاب کی دستیاب ہوئین تو وہ لوگ ان کتابون سے امور غیب (احوال قیامت) وغیرہ روایت کرتے تھے اور اس انداز سے گویا خود رسول اللہ نے ان سے بیان کیا ہے"

ایک اور دوسرے بزرگ نے نخبۃ الفکر کا حاشیہ لکھا ہے انکا نام ابو الامداد ابراہیم ہے۔ لکھتے ہین۔

"بنی اسرائیل کے واقعات ماخوذ کرنے والے حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان اور حضرت علی تھے اور جو اصحاب بنی اسرائیل کے قصے بیان کیا کرتے تھے وہ عبد اللہ بن سلام اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص تھے جب شام کا ملک فتح ہوا تب کچھ اونٹ یہود و نصاریٰ کی کتابین لائے عمرو بن عباس انھین کتابون سے روایات بیان کیا کرتے اس لئے ان کی حدیثین کم ہین اور اخبار و قصص بنی اسرائیل بہت زیادہ ہین"

اسی طرح حافظ ابن کثیر کا قول ہے "کان ابن عباس تلقاہ من الاسرائیلیات" اور نخبۃ الفکر مین بھی حافظ ابن حجر سے ہے "یا خذ من کلام غیرہ کبعض السلف الصالح او قدماء الحکماء او الاسرائیلیات (یعنی اور کبھی ابن عباس لے لیا کرتے تھے دوسرون کے کلام، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے بعضے سلف صالحین کی باتین یا قدیم زمانے کے حکماء یا بنی اسرائیل کے واقعات)۔ اور ابو ہریرہ کے متعلق تو صاف یہ کہدیا گیا کہ براہ راست رسول سے کوئی بات انکو پہنچ ہی نہ سکتی تھی۔ مگر نخبۃ الفکر کو کیون لیا جائے۔ خود بخاری کی یہ حدیث پتہ دے رہی ہے کہ ہماری اکثر روایات کا ماخذ کیا تھا۔

عن عبد اللہ ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	میری تبلیغ کردہ بات پہنچا دو خواہ وہ ایک آیت
بلغوعنی ولو آیۃ وحدثو عن بنی اسرائیل	ہی ہو اور بنی اسرائیل سے واقعات بیان کیا کرو

یہ تو حدیث کی پہلی اسناد کا حال تھا۔ مگر حدیثین بعد کو جس طرح وضع کی گئی ہین، وہ بھی ملاحظہ ہو۔ تدریب الراوی کے جا بجا اقتباسات یہان نقل کئے جاتے ہین اور مین خود ان پر کوئی حاشیہ آرائی نہین کرنا چاہتا۔

۱۔ امام بخاری تاریخ الاوسط مین ارقام فرماتے ہین کہ مین نے عیسیٰ الیشکری کے واسطہ سے سنا ہے کہ علی بن جریر فرماتے ہین کہ

عمر بن صبیح کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ خود وضع کیا ہے۔

۲- حاکم نے ابی عمار المروزی سے نقل کیا ہے کہ ابی عصمت نوح بن ابی مریم سے کہا گیا کہ کیا بات ہے کہ تم عکرمہ سے اور وہ ابن عباس سے قرآن مجید کے سورتوں کے جو فضائل بیان کرتے ہو یہ فضائل عکرمہ کے شاگرد بیان نہیں کرتے ان حضرت نے جواب دیا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ قرآن مجید سے بے پرواہی کرتے ہوئے ابو حنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی میں لگے رہتے ہیں۔ پس میں نے اس حدیث کو اس لئے وضع کر دیا۔

۳- ابن حبان نے اپنے صعفا میں ابن مہدی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے میسرہ بن عبد ربہ سے دریافت کیا کہ تم یہ حدیث کہاں سے لاتے ہو کہ جو اسکو اس طرح سے پڑھتا ہے۔ اسکے لئے چنین ہے اور چنان ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان حدیثوں کو اس لئے وضع کیا کہ لوگ اس میں رغبت کریں اور جو ہوشیار لڑکے ہیں وہ زہد اختیار کرتے ہوئے شہوات دنیا اور بغداد کے بازاروں میں گھومنا اپنی موت کے ڈر سے چھوڑ دیں

۴- ابن سمعیل سے مروی ہے کہ مجکو ایک شیخ نے ابی بن کعب سے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے فضائل مرفوعاً روایت کئے۔ میں نے شیخ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک مدائن کے شخص نے روایت کی ہے جو ابھی زندہ ہے۔ پھر میں انکے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ واسط کے ایک شیخ نے بیان کی ہے جو ابھی زندہ ہے پھر میں انکے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجکو بصرہ کے ایک شیخ سے موصول ہوئی ہے میں انکے پاس بصرے میں آیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجکو عبادان کے ایک شیخ سے موصول ہوئی ہے جو ابھی زندہ ہیں میں انکے پاس آیا تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لیگئے پس دیکھا کہ اس میں بہت سے صوفی اور عارف باللہ موجود ہیں۔ اور انکے ساتھ ایک شیخ ہے پس اسی نے کہا کہ مجکو ان شیخ صاحب سے حدیث پہونچی۔ میں نے شیخ صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے اس حدیث کو کسی نے نہیں بیان کیا اصل بات یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگوں کو قرآن سے بے رغبتی ہوگئی ہے لہذا میں نے اس حدیث کو خود بنا لیا۔

۵- بدعتیوں کی ایک جماعت جو محمد بن کرام سجستانی کی طرف منسوب ہے اور اسی لئے اس جماعت کو کرامیہ کہتے ہیں۔ (اسی جماعت سے تعلق خواجہ معین الدین چشتی کا تھا) ترغیب اور ترہیب میں جھوٹی حدیثیں وضع کرنا اپنے خیال میں جائز تصور کرتی تھی۔ چنانچہ وہ ثواب و عذاب میں لوگوں کو طاعت کے لئے ترغیب دینے اور گناہوں سے بچانے کی غرض سے بالکل جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے

۶- ابو داؤد نخعی باوجود قائم اللیل اور صائم الدہر ہونے کے جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔

۷- ابن حبان نے کہا ہے کہ ابو بشر احمد بن محمد ...... المروزی باوجود اپنے زمانے میں حامی سنت ہونے کے جھوٹی حدیثیں بنا لیا کرتے تھے

۸۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ وہب بن حفص ایسے بڑے بزرگ تھے کہ کسی سے کلام نہین کرتے تھے باوجود اسکے۔ کان یکذب کذبا فاحشا۔

۹۔ محمد بن سعید مصلوب کا بیان ہے۔ "لاباس اذا کان کلام حسن ان نفبع لہ الاسناد"۔ یعنی جب کوئی کلام اچھا ہو تو اسکے لئے سند وضع کرنے مین کیا مضائقہ ہے۔

۱۰۔ بعض اہل الرائے کا قول ہے جس مین ایک قرطبی بھی ہین۔ "ما وافق القیاس الجلی جاز ان یعزا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی جب قیاس جلی موافق ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔

۱۱۔ حاکم نے ہارون سے اور انہون نے انی عبید اللہ سے اور انہون نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ المہدی عباس کا بیان ہے کہ مجھ سے مقاتل بن سلیمان نے کہا "ان شئت وضعت لک الحدیث"۔ اگر چاہے تو مین تیرے لئے حدیث وضع کر دون۔ مہدی نے جواب دیا کہ مجکو اسکی ضرورت نہین۔

۱۲۔ ابو سعید مدائنی وغیرہ کا یہی پیشہ تھا کہ موضوع قصے بناکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔

۱۳۔ حاکم نے کہا ہے کہ محمد بن القاسم "کان یضع الحدیث علی مذہبھم" یعنی وہ اپنے مذہب کے موافق حدیثین وضع کر لیا کرتا تھا۔

۱۴۔ ابن حبان نے کتاب الضعفا مین عبد اللہ بن یزید کی نسبت بیان کیا کہ ایک بدعتی شخص اپنی بدعت سے جب تائب ہوا تو کہنے لگا کہ اس حدیث کو دیکھو تم اس شخص سے لیتے ہو۔ حالانکہ جب ہم کوئی چیز دیکھتے ہین۔ "جعلناہ حدیثا" انہی کے لئے حدیثین وضع کر لیا کرتے تھے۔

۱۵۔ حاکم نے المحامی سے نقل کیا ہے کہ مین نے ابو العنیا کو یہ کہتے ہوے سنا کہ مین نے بعض احادیث وضع کر کے بغداد کے بہت سے شیوخ کے سامنے پیش کین تو بجز ابن ابی شیبہ علوی کے باقی سب نے قبول کر لین۔

۱۶۔ معمر نے جو ابن ابی عوجہ کا بھتیجا تھا اپنی کتاب مین درج کیا۔ یعنی ہم نے زہری سے اور انہون نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے اور انھون نے ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہین کہ حضرت نے علی کی طرف نظر کر کے فرمایا کہ تو دنیا اور آخرت مین سید ہے جو شخص تجکو دوست رکھے اسنے مجکو دوست رکھا اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ اللہ کا دوست ہے اور جس نے مجھ سے دشمنی رکھی وہ میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ پس خرابی ہے اسکے لئے جو میرے بعد تجھ سے بغض رکھے۔

پس اس حدیث کو عبد الرزاق نے اور انہون نے معمر سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث باطل اور موضوع ہے جیسا کہ اسکی نسبت یحیٰی ابن معین نے فرمایا ہے۔

۱۷۔ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے معاد بن سلمہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے ایک شیخ کے ذریعے سے خبر ملی کہ وہ حدیث کے وضع کرنے

کے لئے کیٹیان کیا کرتے تھے۔

۱۸- میسرہ بن عبدربہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی فضیلت مین ستر حدیثین وضع کین

۱۹- مامون بن احمد ہردی سے کہا گیا کیا تونے شافعی کو نہین دیکھا اور انکو جو خراسان مین انکے متبعین ہین تو اس نے کہا کہ ہم سے احمد بن عبد البر نے اور ان سے عبد اللہ بن معدان الازدی نے انس سے مرفوعاً حدیث روایت کی ہے کہ میری امت مین ایک شخص ہوگا جسکو محمد بن ادریس کہینگے وہ میری امت کو شیطان سے زیادہ نقصان پہونچائے گا۔ اور ایک شخص میری امت ہی میں ہوگا کہ جسکو ابو حنیفہ کہین گے وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

۲۰- عقیلی نے معاذ بن زیاد کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا یعنی وہ فرماتے ہین۔ کہ "وضعت الزنادقۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ عشرہ الف حدیث منہ عبد الکریم من العوجاء" یعنی فرقہ زنادیق نے آنحضرت صلعم کی طرف سے چودہ ہزار حدیثین وضع کرکے منسوب کی ہین ان مین سے ایک عبد الکریم بن ابی عوجاء ہے (یہ وہی ہے جس نے اپنے قتل کے وقت اقرار کیا تھا کہ خود اس نے چار ہزار حدیثین ایسی بنائی ہین۔ جن مین حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے)۔

۲۱- نسائی نے کہا ہے کہ ابن ابی یحییٰ جو مدینہ مین تھے اور واقدی جو بغداد مین تھے اور مقاتل بن سلیمان جو خراسان مین تھے اور محمد بن سعید صلوب جو شام مین تھے حدیث وضع کرنیوالے کذاب مشہور تھے۔

ایک طرف حدیثون کا یہ حال تھا۔ اور دوسری طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے فاطمہ بنت قیس صحابیہ حاضر ہوکر حلفیہ بیان کرتی ہے کہ بقول رسول اللہ تین طلاق والی عورت کے خور ونوش واقامت کے صرفہ کا خاوند ذمہ دار نہین۔ اور حضرت عمر فاروق فرماتے ہین کہ مین قرآن مجید کے حکم کو ایک عورت کی روایت سے چھوڑ نہین سکتا کہ جس کے اندر جھوٹ اور سچ دونون کا احتمال ہے۔ اسی طرح مسلم کی روایت ہے۔

ان ناسا یحدثون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عثمان لا ادری ما ھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت مین لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔ آپ نے کہا مین اس حدیث کو قبول نہین کرتا۔

ذہبی نے اپنے تذکرۃ الحفاظ مین لکھا ہے کہ ابراہیم نخعی بیان کرتے ہین کہ حضرت عمر نے اپنی خلافت مین ابن مسعود ابو درداء ابو مسعود انصاری کو اس جرم مین قید کیا تھا کہ انہون نے حدیث کی روایت کثرت سے کی تھی۔ اسی طرح ابن عتبہ کا قول ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کے پاس ایک جماعت بیٹھی ہوئی دیکھی۔ جس سے ابی بن کعب حدیث روایت کر رہے تھے حضرت عمر نے اپنیر کوڑا اٹھوایا ابی بن کعب نے کہا۔ عمر۔ دیکھ خدا تجھ پر رحم فرما دے کیا کرتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ روایت کرنا تیرے لئے فتنہ اور سننے والون کے لئے عذاب ہے ابو ہریرہ سے لوگون نے پوچھا کہ کیا تم حضرت عمر کے زمانے مین بھی اس طرح حدیثین بیان کرتے انہون نے کہا کہ میری درے سے خبر لیجاتی۔

"نقاد"

باب المراسلة والمناظرة

نمر منزل، کوچہ عاقل خاں۔
دہلی ۲۱ مارچ ۴۳ء

مولانا المحترم والمکرم

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک مضمون ارسال خدمت ہے، آپکو یہ شکایت تو ہوگی کہ کسی حد تک آپ کو (MISREPRESENT) کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن امید ہے کہ یہ امر مضمون کی اشاعت میں مانع نہ ہوگا، دکھانا صرف یہ ہے کہ قدیم رسمی اسلام کے خلاف تعلیم یافتہ طبقہ میں جو جوش وخروش پھیل رہا ہے وہ دراصل تنگ خیال مولویوں اور کٹ ملاؤں کے ظلم وزیادتی کے خلاف ردعمل ہے۔ اور اس کے ذمہ دار تمام تر ملا صاحبان ہیں:۔۔

خاکسار فضل حمید

نیاز صاحب اور مولوی صاحبان

اللہ تعالیٰ نے مولویوں اور کٹ ملاؤں کو خلق کیا، اور مولویوں اور ملاؤں نے صدیوں کی سر توڑ کوششوں اور جد وجہد کے بعد نیاز صاحب کو پیدا کیا، معاذ اللہ! ہم خلق وابداع کی الٰہی صفات سے مولوی اور ملا صاحبان کو متصف کرنے کی جرأت نہیں کرتے، کہنا صرف یہ ہے کہ معنوی طور پر اپنی تخلیق کے لئے نیاز صاحب انہیں حضرات کے مرہون منت ہیں، اب خواہ وہ اس شرف کو تسلیم کریں یا اس سے انکار۔ ہمیں نیاز صاحب کی مذہبیات والٰہیات سے چند اصولی اختلافات ہیں، لیکن ہم یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ نیاز صاحب اسلام کی ایک مفید اور عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس خدمت کا تعلق اسلام سے صرف "کلیانچہ بر رخسار مولوی" کی دلچسپ شکل میں ہے سینٹ پال اور انکی معنوی ذریات نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنا دیا، اور خود بارگاہ خداوندی کے داروغہ اور عرش کے جمعدار بن بیٹھے، اب اگر ان بزرگواروں کی کوئی گت بنائے تو کیا وہ عیسائی مذہب پر احسان نہیں کر رہا ہے؟ عین ایمان۔ مولویوں نے کہا کہ سینما دیکھنا حرام۔ نیاز صاحب نے کہا کہ ثواب عظیم۔ مولویوں نے کہا کہ امام احمد بن حنبل کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا، نیاز صاحب نے کہا کہ ہر شخص اپنے میں پیغمبری کا امکان رکھتا ہے، مولویوں نے کہا کہ بلا واسطہ کوئی شخص خدا تک نہیں پہونچ سکتا، نیاز صاحب نے کہا کہ بلا واسطہ خدا تک نہ پہنچنے کے کیا معنی، ہر شخص اگر کوشش کرے تو خود خدا ہو سکتا ہے، مولویوں نے کہا کہ بغیر ختنہ

اعمال صالحہ کے کوئی فرد بشر بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا، نیاز صاحب نے کہا کہ بغیر معصیت لطیف کے کوئی انسان نجات حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ وقس علے ھذا!

اگر ہم کسی معمولی انسان کو فرشتہ کہیں اور کوئی شخص ترکی بترکی پر عمل کر کے اس کو شیطان کہدے تو بتایئے کہ قصور کس کا ہے؟ مولویوں نے فروع کے منوانے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، نیاز صاحب کو اصول میں بھی تامل ہوا کہ درست یا نہیں، مولویوں نے ہر موضوع حدیث کو خواہ وہ عقل و انصاف کے کتنے ہی خلاف ہو بلا نقد و نظر کے قرآن کی آیت کا درجہ دے دیا۔ نیاز صاحب سرے سے نفس حدیث ہی کے منکر ہو گئے، اب گلہ کس سے کیا جائے، نیاز صاحب سے یا تنگ خیال ملاؤں اور نفس پرست مولویوں سے؟ فطرت نے نیاز صاحب کو حق شناس دل عطا کیا تھا، خوف عقوبت و مواخذۂ حشر انکو ارتکاب معاصی سے باز نہیں رہ سکتا تھا، لیکن وہ طبع سلیم کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے، اُنکی ہدایت کے لئے انکی فطرت کا قانون کافی تھا، ان کے ضمیر کی روشنی انکو زندگی کے تیرہ و تار سفر میں مشعل کا کام دیتی تھی، وہ اس لئے بے راہرو نہیں ہوئے کہ انہیں منزل سے دور جا پڑنے کا ڈر تھا بلکہ اس لئے کہ وہ صراط مستقیم ہی کے ذریعہ سے مقصود کو پا سکتے تھے، اُنہوں نے اس لئے حق پرستی نہیں کی کہ وہ جنت میں حور و قصور سے ہم آغوش ہوں، بلکہ اس لئے کہ حق آئینۂ حسن ہے اور حسن آئینۂ حق۔ لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ اُنہوں نے اپنے اوپر اہل دہر کا قیاس کر لیا، انکا طرز استدلال یہ ہے کہ، کیونکہ وہ خود نیک ہیں اور بغیر تعزیری قانون کے سلامت روی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں لہذا تعزیری قانون کی عام انسانوں کو بھی ضرورت نہیں ہے۔

ایک نیاز صاحب کے نیک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام ہندوستانی نیک ہیں اور تعزیرات ہند قابل منسوخی ہیں، یا اگر نیاز صاحب اپنی ذات سے عورتوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں تو کیا صنف لطیف کو اپنے حقوق کے لئے جد و جہد چھوڑ دینی چاہیئے۔ یہ ہے ہماری رائے میں تفسیر اس تنازعہ کی جو مولانا نیاز فتحپوری، اور مولانا عبدالماجد بی۔ اے کے درمیان برپا ہے

(نگار) آپ کی تنقید جسے زیادہ اصطلاحی رنگ میں "تحقیق انیق" کہنا چاہیئے، یقیناً بڑی حد تک محل نظر تھی، اگر آپ کی مفسرانہ تحریر اس کے ساتھ نہ ہوتی، آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ "کسی حد تک آپ کو (MISREPRESENT) کرنے کی کوشش کی گئی ہے" مدعا یہ کہ گرمی سخن قایم رکھنے کے لئے آپ نے کہیں کہیں "تعبیرات غلط" سے کام لیا ہے، اور میرے مسلک کے ظاہر کرنے میں "انحراف و مبالغہ" بھی صرف فرمایا ہے —— بہرحال مجھے آپ سے کیوں شکایت ہونے لگی، جب خود آپ نے اپنی تنقید کو اس طرح مضمحل بنا دیا اور جواب لکھنے کا بار بڑی حد تک میرے سر سے ہلکا کر دیا، تاہم چونکہ ذکر "مولوی" کا آ گیا ہے، اس لئے میرے لئے ناممکن ہے کہ یونہی سرسری گزر جاؤں اور اپنے ہدایائے محبت "جمال سلمیٰ" کے حضور میں پیش نہ کروں۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا!

آپ نے ابتدا ہی میں یہ لکھ کر کہ "اللہ تعالیٰ نے مولویوں اور کٹ ملاؤں کو خلق کیا" حقیقتاً ایک اصولی بحث چھیڑ دی ہے اور گویا آپ نے ہر اس شخص کو جو کچھ بھی "تاریخ طبعی" (NATURAL HISTRY) سے دلچسپی رکھتا ہے دعوت دی ہے کہ خدا کی اس

عجیب وغریب "مخلوق" کی تاریخ خلق وآفرینش اور مدارج ارتقار پر غور کرے، میں نے جہاں تک غور کیا ہے "مولوی" کے عالم وجود میں آنے کے متعلق متعدد نظریئے قایم کئے جا سکتے ہیں، مثلاً:- یہ کہ اگر انسان واقعی مٹی سے بنایا گیا ہے تو ممکن ہے کہ اس کے بعض افراد کسی کنکریلی مٹی سے بن گئے ہوں یا ایسی مٹی سے جس میں عفونت وگندگی پیدا ہو گئی تھی یا ضرورت سے زیادہ اس کا خمیر ہو گیا تھا ——— یا یہ کہ جس طرح امراض جسم خاص خاص جراثیم سے پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح امراض روحانی کے لئے خدا، اس جماعت کو مخصوص جراثیم پیدا کرنے کے لئے وجود میں لایا ہو ——— یا اگر ایک گستاخ فلسفی کے الفاظ میں "دنیا نام ہو صرف اس مفاہمت باہمی کا جو خدا اور شیطان کے درمیان کسی وقت ہو گئی تھی" تو پھر "مولوی" کو اگر "خدا کا کمزور پہلو" نہ کہا جائے تو شیطان کا "روشن رُخ" کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا ہے ——— اس باب میں زیادہ منطق صرف کرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے اُس مفاہمت اولین "کو سمجھ لیجئے کہ کیا ہو سکتی تھی۔ خدا کا منشار یہ تھا کہ کائنات میں سوائے امن وسکون کے کچھ نہ ہو، شیطان کا یہ کہنا تھا کہ سوائے "فتنہ وفساد" کے وہاں کسی چیز کی ضرورت نہیں؛ آخر کار سمجھوتا یہ ہوا کہ ان دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا جائے اور مخلوقات کو ایک حد تک اختیار دیدیا جائے کہ وہ ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں۔ یا یہ کہ یزدانی واہرمنی دونوں قوتیں اپنے اپنے فرایض انجام دیں اور انسانی چشم وبینش کو ان میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کی فرصت دی جائے

میں بحث کے اس اسلوب سے ہٹ کر جب زیادہ سنجیدگی کے ساتھ غور کرتا ہوں اور تعلیمات الٰہی کو سامنے رکھتا ہوں تو مجھے اس وقت سے لیکر جب اول اول ابلیس نے انسان کی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور پھر بہکا کر "شجر ممنوع" کیطرف لے گیا تھا، اس وقت تک جتنے دور انسانیت پر فتنہ وفساد کے گذر چکے ہیں ان سب میں، انہیں حضرت کی جلوہ گری دیکھتا ہوں، البتہ فرق یہ ہے کہ زمانہ وماحول کے ساتھ اس کے "اسلوب" بدلتے رہے ہیں اور مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں سے اس کا ظہور ہوتا رہا۔ مثلاً اول اول جب انسان بے انتہا سادہ واقع ہوا تھا، تو ان حضرت نے بھی نہایت سادگی سے بغیر کسی اہتمام کے حوّا سے کہدیا کہ "یہ پھل کھالو" اونہوں نے کھالیا اور آخر کار یہ پہلا انسانی جوڑا عدن سے نکالدیا گیا، ہر چند شیطان کی یہ پہلی اساس کامیابی تھی لیکن اس میں چند منٹ سے زیادہ صرف نہ ہوئے ہوں گے، اس کے بعد جب عقول انسانی میں ترقی ہوئی، اور علوم وفنون کا زمانہ آیا تو اس نے "مسند علم" پر بیٹھ کر، اپنے علم ہی کے ذریعہ سے برسوں کی عرقریزی سے لوگوں کو بہکایا، اور اب جو زمانہ اجتماعی طور پر کام کرنے کا آیا ہے، تو یہ انجمنیں بنا بنا کر گمراہ کرتا ہے ——— اگر آپ سورۂ اعراف کا دوسرا رکوع ملاحظہ فرمائیں گے تو اس کی مکمل تاریخ آپ کے سامنے آجائے گی اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی صحت سے آپ کو انکار نہ ہو سکے گا ——— اسلئے میرے نزدیک اس کا تعلق نہ کسی مخصوص لباس ووضع سے ہے، نہ کسی مخصوص درس تعلیم سے، بلکہ اس کو صرف ہم اس کے کارناموں سے پہچانتے ہیں، اس کے اخلاق سے جانتے ہیں، اور اس کے اُن ارشادات وہدایات سے جن میں سوائے گمراہ کر دینے کے اور صلاحیت موجود نہیں ہے ——— معاف فرمایئے ..... اگر میں اس جگہ بطور "دفع دخل" یہ واضح کر دوں کہ میری مراد مولوی سے صرف وہ جماعت ہے جو صرف اپنے حرکات کے لحاظ سے "ذریات شیطان" کہلانے کی مستحق ہے، اس لئے اس میں

جس طرح مصر کا جامع ازہر یا ہندوستان کا دیوبند شامل ہو سکتا ہے، اسی طرح علیگڈھ کی مسلم یونیورسٹی بھی خارج نہیں ہو سکتی۔ اور اسمیں وہ نفوس شامل سمجھے جائیں گے جو صحیح تعلیم اسلامی سے لوگوں کو منحرف کرتے ہیں، خواہ وہ عمامہ و قبا میں ظاہر ہوں یا کوٹ پتلون میں ——— اب یہ اور بات ہے کہ چونکہ انسان کو دھوکہ ہمیشہ عمامہ و قبا، عبا و جریب، تسبیح و حمائل ہی کے ذریعہ سے دیا جاتا ہے، اس لئے ہم مولوی کی صوری و معنوی دونوں حیثیتوں کو کسی جماعت میں دیکھ کر ایک "کلیہ" بنانے پر مجبور ہوں۔

آپ "میری مذہبیات و الہیات سے چند اصولی اختلاف" رکھنے کے باوجود بھی مجھے اسلام کی "مفید اور مہتم بالشان خدمت" انجام دینے والا سمجھتے ہیں ——— خیر میں اس باب میں کچھ نہیں کہتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کسی مولوی نے جواب دینے کا قصد کیا تو آپ کے ان الفاظ کے ظاہری تضاد پر وہ اسی طرح ایک مکمل منطقی رسالہ لکھ ماریگا، جس طرح آمین بالجہر یا رفع یدین کے باب میں وہ دفتر کے دفتر سیاہ کر کے رکھدیتا ہے، یا التحیات میں اونگلی نہ اٹھانے والے کی تکفیر میں کتاب کی کتاب تصنیف کر ڈالتا ہے۔

اس کے بعد آپ کے وہ "مغالطات" شروع ہوتے ہیں جن کی طرف آپ نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے، اس لئے مجھے تردید کرنے کی ضرورت نہیں ——— ابھی تو نہیں، لیکن اگر جنگ کی نوعیت یہی رہی تو ممکن ہے آیندہ کوئی ایسی ہستی بھی پیدا ہو جائے جو آپ کے "منسوبات" کے لحاظ سے اس تنقید کی مستحق ہو۔ اور اگر آپ برہم نہ ہوں تو میں اپنے دل کے اس خدشہ کو بھی ظاہر کردوں کہ "کہیں یہ خود سرکار ہی نہ ہوں"۔ اگر یہ صحیح ہے تو اور کچھ سمجھائیے یا نہ سمجھائیے لیکن خدا کے لئے اس "معصیت لطیف" کی تفسیر ضرور کر دیجئے کہ اس کے ذکر سے میرے "ضربات نبض" کا بھی شمار بڑھنے لگتا ہے۔

آپ نے ایک جگہ بہت زیادہ حسن ظن سے کام لیکر میرے نیک ہونے پر بھی حکم لگایا ہے، حالانکہ میری تمامتر تحقیق اس مسئلہ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ "بد نہیں ہوں" ——— اگر بد نہ ہونے کا لازمی منطقی نتیجہ نیک ہونا ہے، تو ہم آپ دونوں مجبور ہیں اور کسی نہ کسی طرح اس نیکی کے "اتہام" کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا، ورنہ حقیقتاً میرا مسلک سامان و اسباب کے لحاظ سے

شاہد و شعر ست و شراب و شکر

سے زیادہ کچھ نہیں، اور غایت و نتیجہ کی حیثیت سے صرف

گرم شد و مست شد و شاد شد

جس کے بعد صرف ایک ہی درجہ طے کرنے کو رہ جاتا ہے جسے "اللہ بس باقی ہوس" کہتے ہیں۔

اخیر میں سب سے زیادہ ستم آپ نے یہ کیا کہ میرا اور مولانا عبد الماجد بی۔ اے کا نام ایک ہی سانس میں لے لیا، حالانکہ مجھے اون سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، وہ عالم اجل، میں جاہل ازل۔ وہ طبیب، میں وکیل، ان کا یہ عالم کہ "کان اولاً فیلسوفاً ثم صار صوفیاً متوھباً" اور میں غریب آجتک یہی نہیں سمجھ سکا کہ فلسفی ہونے کا بعد جب انسان صوفی بنتا ہے تو وہ "وہابی صوفی" کیسے ہو جاتا ہے؟ اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ وہ حج کر آئے ہیں عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہو آئے ہیں، اور میں اس ارادہ تک حیدر آباد سے آگے نہیں بڑھ سکا، کم از کم آپ نے اسکا تو خیال کیا ہوتا:— مرد خدا، ایں چہ خدا دشمنی ست!

(۳)

خیرآباد - ۱۵ مئی سنہ ۳۰ء

محترمی۔ نگار آتشیں آیا مگر سادہ لوح بنکر صورت پکار اٹھی "پردۂ زنگاری" میں جلوہ گر رہنے والا آگیا

اے آمدنت باعث آبادی ما

دکن کے متعلق جو کچھ لکھا اور جس طرح لکھا آپ کا حصہ ہے، ادائے بیان پر یہ خداداد قدرت کسی سحر کار نگار کے بس کی بات نہیں "سرزمین دکن کی ایک دلنواز" یہ عنوان نہیں ختم ہو جانا چاہیے تھا نہ شام کی ضرورت تھی نہ شب کی، مجھ حسرت نصیب کو اپنا اک شعر یاد آگیا

وہ رات مزے کی ہے جو ہو بات مزے کی
کلکتہ میں گذری نہ کوئی رات مزے کی

کاش آپ کے ساتھ دکن ہی میں اک رات ایسی نصیب ہو جاتی، پیری شباب سے بدل جاتی، ایک بوتل میں سب کچھ ہو سکتا تھا ؎

یہ کالی کالی بوتلیں جو ہیں شراب کی
راتیں ہیں ان میں بند ہمارے شباب کی (ریاض)

جس دلنواز کا خیال ہے اُسے ہمارا حصہ ہونا چاہیے تھا، سامعہ نوازی کے لئے بھی دلنوازی کے لئے بھی۔ ایک حد تک نگار نے تصویر کھینچ دی، اس کی ضرورت نہ رہی ؎

ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے (ریاض)

ادائے بیان کی محویت نے تصور ہی میں سب سامان یاران دور افتادہ کے لئے مہیا کر دیا اور یہ کہنے کا موقع نہ رہا ؎

بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں
ہم ان میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں (ریاض)

حضور صدر المہام کا لطف صحبت بھی خزاں دیدہ ریاضؔ کو انگاروں پر لٹا دینے والا ہے، جوانی کی طرح وہ راتیں بھی یاد آئیں جب مہاراجہ بالقابہ صدر اعظم کے دولتکدہ پر آنجہانی سرشار کو مہمان نوازی کی خدمت سپرد تھی۔ دکن میں آپ نے ہماری جگہ لی اور سرشار کی جگہ ہوشؔ نے، ہوشؔ کا نام لیتے ہی داغؔ کا شعر یاد آگیا۔

پہروں قابو میں نہ میرا دل ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

میں لکھنؤ گیا آپ دکن میں تھے امتیاز صاحب جیل میں، میں دونوں کے پاس تھا، مگر بظاہر شباب رفتہ کی طرح دور یہ بھی حسن بیچے کس ماحول میں کس طرح میری زندگی بسر ہو رہی ہے ؎

کٹ گئے دن بڑے بھلے اپنے
یہ بھی اتنی گذر ہی جائے گی (ریاض)

ماہ مبارک کے آغاز میں کہا تھا ؎

بن کے مہماں ایک دن رند روزہ دار آنے کو ہے
شام ہونے کو ہے میرے گھر اُدھار آنے کو ہے (ریاض)

۳۰ شوال کا مضمون شعر میں نہیں ادا ہو سکتا مگر یکم شوال کو کہنا پڑا تھا ؎

میکدے میں عید مجھ مفلس کی ہو جائے ریاضؔ
دے کے اک چلو کوئی تیس روزوں کا ثواب (ریاض)

۲۰ شوال کا مضمون نثر میں سنئے، میں باہر لکھ رہا تھا، اندر سے پیام آیا ہسپتال کی دائی کو بلوا دیجئے، آدمی گیا دائی کے بدلے لیڈی ڈاکٹر آئی ایک گھنٹے کے بعد وہ یہ کہتی باہر نکلی۔ ڈبل فیس، یک نہ شد دو شد بھائی بہن توام مبارک، تانگے کا کرایہ بدقت دیا، اور فیس کیلئے جھوٹے وعدے کرنا پڑے، ۶،

گرمی زنگون سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں

بچوں کی تعداد بفضلہ ایک اوپر نصف درجن، مجھے دیکھئے میری عمر دیکھئے۔

اس شیخ کہن سال کی اللہ رے بزرگی جنت میں بھی یہ جاکے جواں ہو نہیں سکتا (ریاض)

میں خوش ہوں آپ دکن سے خوش آئے، مجھے بھی خوش رکھئے، مگر میں کیا خوش رہ سکتا ہوں جب امتیاز جیل میں ہیں، گھر میں اور بچوں کو دعا کہئے آسی کو بہت بہت سلام، جلد آکر ملوں گا۔ ریاض

(نگار) آج آپ پہلے شخص ہیں، جن کے منہ سے "واپسی دکن" کی مبارکباد سن رہا ہوں ——— اور تو اور، حیرت یہ ہے کہ مجھے ان "صورتوں" نے بھی نہ پوچھا، جو میرے نام بڑے بڑے "نامہائے فراق" بھیج رہی تھیں ۔ اور (ظفر کی مسلسل غزل کی طرح) پوچھنا کیسا، بات تک نہ کی!

گو نگٹ کی اوٹ اُسے بھی نظر پھری ہوئی

اس کو آپ جو چاہے کہئے لیکن میں تو اس کو اپنی مکانکی (MECHANC) زندگی کا "منطقی نتیجہ" سمجھتا ہوں۔ یاد رکھئے، کبھی کبھی مجھے اُن "نفوس سادہ" پر رشک آنے لگتا ہے، جو فردا کی امیدمیں "امروز" کی "تلخکامیاں" برداشت کررہے ہیں ——— حور وقصور، کوثر وسلسبیل، حقیقت کے لحاظ سے "طلسم ہوشربا" سہی، لیکن "رعنائی خیال" سے تو انکار ہوہی نہیں سکتا۔ میری بدنصیبی دیکھئے کہ زندگی کی کلفتوں میں تو سب کے ساتھ برابر کا شریک، لیکن راحت کے باب میں، مولویوں کی طرح "سراب" سے بھی فائدہ اٹھانا میری قسمت میں نہیں ——— اس ذکر سے یہ مقصود نہیں کہ آپ مجھے بھی اس عالم میں بلائیں جہاں آپ ایسے رساری دنیا زندگی بسر کررہی ہے ——— "درچشم خیال تو جہاں محمل لیلیٰ" درست سہی، لیکن اس کا کیا علاج کہ "مجنوں لیلیٰ را بہ محمل کار نیست" ——— میں جس دور سے گذر رہا ہوں، وہ یہ ہے، یہ ؟ "اصطلاحی لوگوں نے اس کو "اول ما آخر ہر منتہی" بھی کہا ہے میں نے اس کا ابھی تک کوئی نام نہیں تجویز کیا، "کبریائی" کیسا رہے گا؟ مفہوم تو اس سے کچھ ادا ہوجاتا ہے گو پوری طرح نہیں! معاف فرمایئے گا جواب دے رہا تھا آپ کے محبت نامہ کا اور سامنے آگئیں "ریاض شوخ پارسا"[1] کی "پاک میخواریاں" — "بہک جانے" کی کوشش میں بہت سے گم شدہ حواس بھی واپس آگئے۔ معلوم نہیں یہ آپ کی "کرامت" ہے یا میرا "معجزہ"!

---

[1] شوخ و پارسا "حرف عطف کے ساتھ نہیں۔

آپ تو "اپنی" ہی سی کہیں گے !!

"سرزمین دکن کی ایک دلنواز ـــ" کے بعد نہ شام کی ضرورت تھی نہ شب کی ـــ درست ہے، مدعا یہ کہ "الزام" کو اور زیادہ سنگین بنا دیا۔ آپ کو کیا خبر کہ اس مضمون کے ایک ایک لفظ کی "حساب فہمی" کس کس طرح ہوئی ہے ـــ

خون جگر ودیعت مژگان یار تھا

پہلا مصرعہ پڑھ کر مفہوم خود پیدا کر لیجئے ـــ

غالب کہتا ہے:۔ نکتہ چیں ہے، غم دل اسکو سنائے نہ بنے ـــ مرزا غریب تو "غم دل" اسی نکتہ چین کو سنا رہا تھا جسکا غم تھا، لیکن یہاں "غم دل" تھا اور کسی" اور" سے متعلق اس سے نکتہ چینی کی وسعت کا اندازہ فرمائیے ـــ میں تو جواب میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کیواسطے

کیونکہ مجھے کافر کہنے، اور سمجھنے میں اب کوئی استثنار باقی نہیں رہا

آپ فرماتے ہیں "جس دلنواز کا حال ہے،، اسے ہمارا حصہ ہونا چاہئے سامعہ نوازی کے لئے بھی، دلنوازی کے لئے بھی" ـــ آمنا وصدقنا۔ سچ ہے جس کے لئے فطرت اس قدر فیاض ہو کر اس کے عالم شیب میں بھی نیتجۂ دلنوازی "حیات تو ام" کی صورت میں ارزانی فرمائے۔ اس کو اس سے بھی زیادہ مطالبہ کا حق حاصل ہے ـــ آپ کو اس سلسلہ میں زیادہ شعر یاد نہیں آیا جس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے:۔ "لوگ دیکھیں تو کہیں عہد وفا ہوتا ہے"

آپ کے لئے غالباً یہ امر اور زیادہ "انگار دل پر لٹا دینے والا" ہوگا کہ سر مہاراجہ بہادر شاد آپ کو ابھی تک بھولے نہیں ہیں اور جس وقت میں نے آپ کا ذکر کیا تو وہ تمام صحبتیں ان کو یاد آگئیں، جو سرشار کی معیت میں وہاں برپا ہوتی تھیں، مہاراجہ بہادر نے جس حسرت کے ساتھ آپ کا ذکر سنا، اس کی کیفیت ہنوز میرے دل میں باقی ہے۔ آپ کو یاد فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ "ریاض کو بلائیے" میں نے عرض کیا کہ "پیر و مرشد بلانا کیسا، انکا تو لانا بھی دشوار ہے، تاہم میں سرکار کا یہ محبت بھرا پیام پہونچادونگا ممکن ہے اس کی "حیات بخشی" ریاض کو پھر زندہ کرکے بارگاہ شاد تک پہونچادے" بہرحال میں اخیر جون میں پھر حیدرآباد جا رہا ہوں۔ اور اگر آپ اجازت دیں تو "دلے بر اندش" سے کام لوں۔

ہوش کے متعلق آپ "بھولنے والا" نہ کہئے ـــ جو شخص اپنے آپ کو بھلا دے، وہ دوسروں کو نہیں بھلا سکتا۔ آپ کے متعلق ان کا بھی وہی اصرار تھا، جو دنیا میں کسی "ریاض شناس" کا ہو سکتا ہے۔

"یک نہ شد دو شد" کے متعلق اب کیا عرض کروں، فطرت کی "غلط بخشیاں" دنیا کا نیا تجربہ نہیں، اگر آپ کے لئے اس میں کوئی مسرت نہیں، تو نہ ہو، قدرت تو آپ کی تکلیف سے مسرور ہوتی ہے۔ آپ ایسا متوکل اور "راضی برضا" قسم کا مسلمان کیا اس سے تسکین نہیں حاصل کرسکتا۔

امتیاز کا جیل چلا جانا باعث فخر و مسرت ہے نہ کہ موجب حزن و ملال، خدا سب کو اس کی توفیق دے۔ یہاں تک کہ آپکو بھی، تاکہ اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر بیگم ریاض کو کم از کم یہ کہنے کا تو موقع آپ سے ہو کہ "میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو"

میں نے آپ کا خط بیگم نیاز کو دکھا کر اظہار افسوس کیا، تو انہوں نے برجستگی کے ساتھ کہا کہ "کیوں گھبراتے ہو ریاض صاحب کو تو ابھی ایک بار بچہ ہو کر پھر دوبارہ عمر طبعی تک پہونچنا ہے"۔ میں نے کہا اگر دوسری مرتبہ پھر اسی "دور وتسلسل" کو انہوں نے قایم کیا تو؟ بولیں کہ "ہونے دو، اس کی کیا فکر، کیونکہ اس وقت نہ ہم ہوں گے نہ آپ"۔ —— یہ تو خیر وہ لطایف ہیں، جو آپ کے سن و سال کے متعلق ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن مجھے اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ڈاکٹر ورناف کو نہ خبر ہو جائے، اور وہ محض اپنی "علمی تفتیش" کی تکمیل کے لئے خیرآباد پہونچ جائے، وہ وقت یقیناً بہت سخت ہوگا، جب آپ کانوں پر ہاتھ دھر دھر کر "حقیقتوں" کا انکار کر رہے ہوں گے اور وہ ہنس ہنس کر کہہ رہا ہوگا کہ "نہیں جناب یہ صرف آپ کا انکسار ہے"۔ —— بہرحال جس وقت ڈاکٹر ورناف وہاں پہونچے مجھے ضرور اطلاع دیجئے گا، شاید کوئی مدد آپ کی کرسکوں۔

نیاز

اخبار الاندلس

یہ کتاب ترجمہ ہے اسکاٹ کی مشہور کتاب "ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ" کا، جسے مولوی خلیل الرحمن صاحب نے حد درجہ کاوش اور محنت کے اردو میں منتقل کیا ہے، مولوی صاحب موصوف اس سے قبل نفح الطیب در تاریخ الخلفاء وغیرہ کا بھی نہایت کامیاب ترجمہ کرچکے ہیں، اسکاٹ کی یہ کتاب سلطنت مور کی ایسی جامع و مکمل تاریخ ہے کہ مشکل سے کوئی کتاب اس موضوع پر ایسی بسیط پیش کیجا سکتی ہے، حقیقت میں یہ کتاب تمدن عرب سے بھی زیادہ ضروری ہے، کاغذ کتابت و طباعت بہترین۔

قیمت جلد اول مجلد ۵؎ حصہ دوم مجلد ۵؎ حصہ سوم مجلد معہ ۵؎ مکمل سٹ ۲۰؎

مولدین

امریکی فاضل مسٹر چارلس لی کی مشہور کتاب مورسکوز کا اردو ترجمہ، مولدین کی جلاوطنی ان کو بالجبر عیسائی بنایا جانا، اسلامی رسوم کو ادا کرنے کے جرم میں انکو سخت سزائیں دیا جانا، اور زندہ جلایا جانا، ماؤں کی گود سے شیرخوار بچوں کو چھین کر یہود بنایا جانا، مسلم خواتین کی عصمت دری، مسلمانوں کو سور کا گوشت کھانے اور شراب پینے پر مجبور کیا جانا۔ ان کا بار قتل عام، غرضکہ مسلمانوں کی اس قسم کی اور دردانگیز مصیبتوں کا تذکرہ ہے، اپنے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے، قیمت فی جلد مجلد ۲؎

"مینجر نگار لکھنؤ"

باب الاستفسار

بائبل اور قرآن

(مولوی عطا کریم صاحب - رنگون)

"مین اس جوار مین مناظرہ کرنے والے کی حیثیت سے رہتا ہون اور مناظرہ بھی زیادہ تر عیسائیون سے ہوتا ہے لیکن مذہبی مناظرون کے سلسلہ مین، جس وقت سوال کسی کتاب کے الہامی یا غیر الہامی ہونے کا سامنے آتا ہے تو اسکا یقین کرنا یا کسی اور کو یقین دلانا کہ صرف ایک ہی الہامی کتاب غیر محرف ہے، بہت دشوار ہو جاتا ہے — زبور، توریت، انجیل، اور اخیر مین قرآن شریف، ان سب کو الہامی کلام بتایا جاتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ اول الذکر تینون محرف ہو چکی ہین اور قرآن شریف اپنے حال پر قایم ہے۔ اس دعوی کے ثبوت مین، تاریخ جمع قرآن یقیناً بڑی زبردست چیز ہے، لیکن اسے کون مانتا ہے' سوال پیدا ہوتا ہے صرف تعلیمات اخلاق کا اور یہان آکر تمام کتابین متفق و متحد ہو جاتی ہین۔ اس لئے مین بہت ممنون ہونگا اگر آپ بائبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمائین کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور کن اسباب کی بناء پر ہم اسے یقینی طور پر محرف کہہ سکتے ہین"

(**نگار**) دنیا مین میرے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ امر اور کوئی نہین ہو سکتا کہ مین کسی "دماغی تربیت" پر اس کے "پیشہ ور" ہونے کی حیثیت سے نگاہ ڈالون۔ مین اس کو پسند کرتا ہون کہ ایک شخص جسمانی ورزش مین تکمیل حاصل کرکے، زنجیر توڑ ڈالے، اپنے سینہ سے وزنی گاڑیان گزر جانے دے، اور اس طرح اپنی قوت کا ہر ممکن مظاہرہ کرکے رزق حاصل کرے، لیکن مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے جب مین یہ دیکھتا ہون کہ ایک شاعر شعر کہتا ہے اس لئے کہ اسے انعام ملے، ایک مولوی واعظ کہتا ہے اس لئے کہ اسباب معیشت فراہم کرے، یا ایک مبلغ تبلیغ مذہب کرتا ہے اس امید پر کہ اس کی ہم مذہب جماعت اس کی روزی کی کفیل ہو۔ یقیناً فی نفسہ شعر کہنا، وعظ و پند کرنا، اخلاق کی تعلیم دینا، نہایت پاکیزہ مشغلہ ہے، لیکن جہان اسنے پیشہ کی صورت اختیار کی اسکی پاکیزگی خاک مین ملی دماغ کا مشغلۂ انعطافی (Sentimental Engagement) ایک نوع کی روحانیت ہے، جس کو مادیت کا ادنی سا لگاؤ بھی داغدار بنا دیتا ہے اور اثرات سے یکسر اجنبی و معرا

اس لئے مجھے آپ سے ایک پیشہ ور مناظر ہونے کے لحاظ سے تو کوئی ہمدردی نہین ہو سکتی، خصوصاً اس زمانہ مین جبکہ "مناظرہ و تبلیغ" دونون انسانی ترقی اور دنیاوی امن و سکون کے لئے سخت مضرت رسان ثابت ہو رہے ہین، لیکن اس خیال سے

کہ آپ کا استفسار ایک اصولی و علمی بحث کی طرف منجر ہوتا ہے، چند باتین عرض کر دینا نامناسب نہین سمجھتا، بشرطیکہ آپ ان کو اپنا آلۂ کار نہ بنائین اور اس مسئلہ پر آپ خود بھی صرف علمی حیثیت سے غور کرین۔

دنیا مین اس وقت تک کتنی کتابین وجود مین آ چکی ہین، جنھین الہامی کہا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب دینا محال ہے، لیکن اس سوال کو اگر محدود کر دیا جائے اور صرف یہ دریافت کیا جائے کہ تعلیم مذہب و اخلاق کے متعلق کتنے الہامی صحائف نازل ہوئے، تو بیشک اس کا ایک جواب ہو سکتا ہے اور چند ایسی کتابون کے نام بتائے جا سکتے ہین، جنھون نے عہد تاریخ مین کوئی نہ کوئی یادگار اپنی کامیابی کی چھوڑی۔ وہ توریت ہو یا انجیل، وید ہو یا تالمود اپنی تعلیمی عظمت کے لحاظ سے وہی درجہ رکھتی ہے جو ایک مسلمان کے نزدیک قرآن کو حاصل ہے۔ لیکن آثاری حیثیت سے یعنی اس حیثیت سے کہ بحالت موجودہ ایک الہامی کتاب اپنی اصلی حالت پر قایم ہے یا نہین، بیشک گفتگو ہو سکتی ہے چونکہ اس وقت صرف بائبل کا ذکر ہے اس لئے مین بتا دینا چاہتا ہون کہ اس کی تحریف کے اسقدر ثبوت فراہم ہو سکتے ہین کہ مشکل ہی سے کسی دوسری الہامی کتاب کی تحریف مین پیش ہو سکتے ہین۔

بائبل (Bible) دو حصون پر مشتمل ہے۔ ایک وہ جسے اولڈ ٹسٹامنٹ (Old Testament) یا عہد قدیم کہتے ہین اور دوسرا وہ جو نیو ٹسٹامنٹ (New Testament) یا عہد جدید کے نام سے موسوم ہے۔ لفظ بائبل (Bible) یونانی لفظ جمع ہے جس کے معنی کتُب یا کتابون کے ہین۔ لیکن لفظ بائبل کا اطلاق ان دونون کے مجموعون پر تیرھوین صدی مین رائج ہوا ہے اور مسیح کے ۰۰ھ سال بعد تک لوگ اس نام سے بالکل ناواقف تھے اور نیو ٹسٹامنٹ کے لکھنے والے یا ترتیب دینے والے عہد قدیم کے مجموعہ کو یونانی عیسائی پہلے اولڈ کونٹ (Old Covenant) کہتے تھے، پھر لاطینی بولنے والے عیسائیون نے اس کا ترجمہ کرکے اولڈ ٹسٹامنٹ (Old Testament) کر دیا اور بعض نے ان کو صرف اسکریچرز (Scriptures) کے نام سے موسوم کیا۔

عہد مسیح مین صحیفۂ عہد قدیم جسے تورات کہنا چاہئے دو صورتون اور دو زبانون مین پایا جاتا تھا یعنی ایک مجموعہ اہل فلسطین کا مرتب کیا ہوا جو عبرانی زبان مین تھا اور دوسرا اہل اسکندریہ کا ترتیب دیا ہوا جو یونانی زبان مین تھا۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ ارامی زبان مین ہوا جو اُس وقت کے فلسطینی یہود کی عام زبان تھی۔ پھر عہد وسطےٰ مین لاطینی مین منتقل ہوا اور ۱۳۸۲ء کے قریب لاطینی زبان سے انگریزی مین آیا۔

عبرانی زبان عہد مسیح مین بھی مردہ ہو چکی تھی اور اس کے جاننے والے بہت کم رہ گئے تھے۔ خود مسیح کی زبان ارامی تھی جسے عبرانی سے وہی نسبت حاصل تھی جو انگریزی کو جرمن سے یا موجودہ اٹلی کی زبان کو لاطینی سے ہے۔ اس لئے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تورات کہان سے آئی، کس نے اس کو لکھا اور کس زمانہ مین۔ لیکن ان سوالون کا کوئی جواب نہین دیا جا سکتا اور باوجود مغرب کی تحقیق بلیغ کے یہ مسئلہ ہنوز تاریکی مین ہے۔ مین اس وقت تفصیل کے ساتھ اس پر روشنی ڈالنے کے لئے طیار نہین اور نہ باب الاستفسار مین اسقدر گنجایش ہے، ورنہ تحقیق السنۂ قدیمہ کے سلسلہ مین جو جدید ترین معلومات حاصل ہوئی ہین

اُن کو سامنے رکھ کر بہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ توریت کو مطلقاً موسیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور بنی اسرائیل کے پاس بابل میں قید ہونے سے قبل کوئی الہامی کتاب یا تحریر موجود نہ تھی۔

جب بنی اسرائیل کو سارغون (شاہ اسیریا) نے ۷۲۲ قبل مسیح میں مفتوح و مغلوب کیا اور ان کی جگہ مستعمرین آسیریا نے بسلی جو در اصل بابل و ایران کے باشندے تھے تو یہودیوں کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ انھوں نے کالدیا، بابل، ایران، میدیا سیریا اور مصر کی قدیم روایات کو اُن کی زبان سے سنا اور انھیں کا مجموعہ بعد کو توریت کہلایا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ توراۃ حقیقتاً ایک کشکول کی سی حیثیت رکھتی ہے جس میں رزمیہ نظمیں، عاشقانہ غزلیں، روایات و امثال، قصص و مواعظ، افسانہ و تمثیل، سبھی کچھ موجود ہے۔ تاریخ کا حصہ اس میں بہت کم ہے اور جو ہے بھی وہ بھی بالکل ساقط الاعتبار، میرا ارادہ نہیں ہے کہ زیادہ تفصیل سے کام لوں، لیکن بات میں بات بڑھتی جاتی ہے اور میں مجبور ہوں کہ اپنے دعوی کے ثبوت میں کچھ دلایل بھی پیش کروں۔ میں نے ابھی عرض کیا کہ تاریخی حیثیت سے بائبل میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ قابل اعتبار نہیں اور اس کا تعلق بھی بالکل خرافیات سے ہے۔ اس کے ثبوت میں مثلاً آپ صرف یونس نوح اور موسیٰ کے واقعات کو لے لیجئے۔

بائبل میں یہ واقعہ یوں درج ہے کہ "نینوا جاتے ہوئے یونس طوفان سے گھر گئے لیکن خدا نہیں چاہتا تھا کہ وہ طوفان میں غرق ہوں، اس لئے خدا نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ یونس کو نگل لے اور یونس تین دن تین رات اس کے پیٹ میں رہے"۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت قبل یونانیوں میں ایک روایت انکے دیوتا ہرقلس (Hercules) کے متعلق بھی یہی پائی جاتی تھی کہ "ہرقلس کو جاپا کے قریب ایک مچھلی نے نگل لیا اور تین دن تین رات وہ اس کے پیٹ میں رہا"۔ بالکل اسی طرح کی ایک روایت سوماد یو بھٹا میں پائی جاتی ہے فرق یہ ہے کہ بجائے یونس کے اس میں سکتی دیوا کا نام پایا جاتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ یہ صرف ایک روایت ہے جو ایام قدیم سے چلی آرہی تھی اور جسے توراۃ میں بھی جگہ دیدی گئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت کی حقیقت کیا ہے، سو میرے نزدیک یہ تعبیرات ہیں اور ایک مخصوص رنگ کی انشاء میں طلوع و غروب کے منظر اور کسوف کی کیفیت کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔

یونس معرب ہے (Jonah) کا اور ایام قدیم کی بعض اقوام میں سورج کو جوناہ کہتے تھے۔ (Basque) میں آفتاب کو جونا، جون، جوانا کہتے تھے اقوام ٹراجن میں بھی آفتاب کو جونا کہتے تھے اور اہل ایران جوناہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اہل اسکنڈینویا بھی آفتاب کو جان کے نام سے پکارتے تھے یونانیوں کے یہاں ہرقلس آفتاب ہی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا اور پولی نیشیا کے علم الاصنام میں مچھلی بولکر زمین مراد لیتے تھے۔ اس بیان سے غالباً یہ امر واضح ہوگیا ہوگا کہ واقعۂ یونس سے حقیقتاً کیا مراد تھی اور لوگوں نے کیونکر غلطی سے اسے تاریخی واقعہ سمجھ لیا

یہی حال طوفان نوح کے قصہ کا ہے کہ اس کو تاریخی حقیقت مخصوص بہ نوح سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ روایت بھی بابلیوں یا کلدانیوں سے بنی اسرائیل میں منتقل ہوئی۔ نینوا کے کھنڈروں سے جو نقوش برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان

کا قصہ اہل بابل مین مسیح سے ۲۵۰۰ سال قبل رائج تھا

موسیٰ کی پیدایش، ان کے دریامین بہا دیئے جانے اور ان کے معجزات کا حال سب کو معلوم ہے لیکن یہ تمام روایات موسیٰ سے بہت قبل جون کی تون دنیا مین رائج تھین۔ شمال بابل مین اگاد کے لوگ قصہ بیان کیا کرتے تھے کہ انکا بادشاہ شارغون اول (۲۵۰۰ سال قبل مسیح) کس طرح پانی کے اندر بہتا ہوا پایا گیا تھا، اور کیونکر اس کی مان نے ٹوکری کے اندر ڈال کر اس کی پیدائش چھپانے کے لئے دریامین ڈالدیا تھا۔ عصائے موسیٰ کی طرح، آر فیس کے پاس بھی ایک عصا پایا جاتا تھا

الغرض بائبل کے واقعات تاریخی، کوئی اہمیت نہین رکھتے اور اس بنا پر ان کی نسبت یہ کہنا کہ الہامی ہین درست نہین ہوسکتا۔ اس کے ساتھ ایک ثبوت موجودہ بائبل کے غیر الہامی ہونے کا یہ ہے کہ وہ مجموعۂ اضداد بھی ہے اور الہامی کتاب مین یہ نقص ہرگز نہین پایا جاسکتا۔ مین چند مثالون سے تضاد کی حقیقت کو یہان واضح کئے دیتا ہون۔

بائبل اپنے مفہوم کے لحاظ سے چار حصون مین تقسیم ہوسکتی ہے۔ ایک متعلق بہ الہیات، دوسرا اخلاقی نصایح کا، تیسرا واقعات تاریخی کا اور چوتھا عقاید و اصول مذہب کا۔ سو آپ اس مین سے جس حصہ کو لین گے اُسے اضداد سے معمور پائین گے۔ ہر تقسیم کے متعلق چند مثالین اس کی پیش کیجاتی ہین۔

الہیات

خدا کو آرام کی ضرورت ہو اور تھک جاتا ہے اسکا ذکر ذیل کی آیتون مین ہے (Jer. XV. 6.) (Ex. XXXI 17.) (Is. XXXI. 24)	خدا نہ تھکتا ہے نہ آرام کرتا ہے اسکا ذکر ذیل کی آیتون مین ہے:۔ (Is. XL. 28)
خدا منصف ہے اور غیر طرفدار (Deut. XXXIII. 4) (Ps. XCII. 15)	خدا غیر منصف ہے اور طرفدار (Ex. XX. 5)
خدا ان کو ملتا ہے جو اسکی تلاش کرتے ہین (Prov. VIII. 17)	خدا ان کو نہین ملتا جو اسکی تلاش کرتے ہین (Ps. XVIII. 41) - (Is. I. 15.)
خدا رحمان و رحیم ہے (James. V. 11.)	خدا ظالم بے رحم، تباہکار اور خونخوار ہے (1 Sam. VI. 19.)
خدا جھوٹ نہین بولتا (Num. 18)	خدا جھوٹ بولتا ہے (1 Kings. XX. 11. 23)

	صرف ایک خدا ہے (1, Cor. VIII. 4)	(7 ایک خدا ایک سے زاید ہے (1 John V. 7.)
اخلاقی نصائح	چوری و قزاقی ممنوع ہے (Ex. XX. 15) (Lev. XIX. 13)	چوری و قزاقی جائز ہے (Ex. XII. 35, 36) (Ex. III. 21, 22)
	جھوٹ بولنا ناجائز ہے (Prov. XII. 22) (Ex. XX. 16)	جھوٹ بولنا مباح ہے (James II. 25) (1 Sam. XVI. 1. 2)
	قتل کرنا بُرا ہے (Ex. XX. 13)	قتل کرنا درست ہے (2 Kings. XX. 11, 30) (Ex. XXXII. 27)
	زنا ناجائز ہے (Ex. XX. 14.)	زنا درست ہے (Hosea I 2, III, 1, 2, 3) (Num, XXXI, 18)
واقعات تاریخی	یوسف کے باپ کا نام یعقوب تھا (Matt. I. 16)	یوسف کے باپ کا نام ہیلی تھا (Luke. III, 23.)
	مسیح عالم شیرخوارگی مین مصر لیجائے گئے (Matt. II. 14, 15, 19, 21, 23.)	مسیح عالم شیرخوارگی مین مصر نہین لیجائے گئے (Luke. II 22. 39)
	مسیح کو تیسرے گھنٹہ مین سولی دیگئی (Matt. XV. 25)	مسیح کو چھٹے گھنٹے تک سولی نہین دی گئی (John. XIX, 14, 15)
	یہودا پھانسی لگا کر مر گیا (Matt. XXVII. 5)	یہودا کسی اور طریق سے مرا (Act. I. 18.)

مسیح تین دن تین رات قبر مین رہے (Matt. XII. 40)	مسیح دو دن دو رات قبر مین رہے (Mark. XV. 25, 42, 44, 45, 46 & XVI. 9)
ابراہیم کنعان کی طرف گئے (Gen XII. 6.)	ابراہیم معلوم نہین کہان گئے (Heb. XI. 8)
ابراہیم کے دو بیٹے تھے (Gal. IV. 22.)	ابراہیم کا صرف ایک بیٹا تھا (Heb. XI. 17).
میکائیل کے کوئی بچہ نہ تھا (2, Sam. VI. 25)	میکائیل کے پانچ بچے تھے (2 Sam. XXI. 8.)
اعتقادات مسیح قادر مطلق ہے (Matt. XXVIII. 18.)	مسیح قادر مطلق نہ تھا (Mark. VI. 5.)
مسیح کا پیام امن و سکون تھا (Luke II. 13, 4.)	مسیح کا پیام امن و سکون نہ تھا (Matt. X. 34).
بچون کو اُن والدین کے گناہونکی سزا ملتی ہے (Ex. XX. 5)	.... سزا نہین ملتی (Ezek. XVIII. 20) (Deut. XXIV. 16.)
مردے حشر مین اٹھین گے (1 Cor. XV. 52)	مردے حشر مین نہین اٹھین گے (Job. VII. 9.)

یہ ہے نہایت ہی مختصر اقتباس اُن آیات کا جن سے بائبل کا مجموعۂ تضاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کامل استقصاء سے پوری ایک کتاب طیار ہوسکتی ہے۔ مین نے بخیال طوالت آیات کو بھی نہین درج کیا بلکہ صرف انکا حوالہ دیدیا ہے تاکہ ہر شخص آسانی سے نکال کے خود مطالعہ کرسکے

اس لئے بحالت موجودہ انجیل کو قرآن کے مقابلہ مین رکھنا کسی طرح درست نہین ہو سکتا، کیونکہ نہ کلام مجید مین کس جگہ تضاد ہے اور نہ اس کی اخلاقی و روحانی تعلیم مین کوئی نقص پیدا ہو سکتا ہے، رہا کلام مجید کا وہ حصہ جس مین روایات و قصص پائے جاتے ہین، اُن کے متعلق مین فی الحال صرف اسقدر عرض کرونگا کہ اگر غور سے انکا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ بھی حشو و زوائد سے پاک ہین اور اُن کو اس صورت سے پیش نہین کیا گیا کہ اُن سے کوئی تاریخی حقیقت ثابت کیجائے۔ اگر کبھی ضرورت ہوئی تو تفصیل سے اس مسئلہ پر لکھونگا۔ فی الحال انھین چند صفحات پر اکتفا کرتا ہون۔

کیمیا کا اثر رکھنے والا **کایا پلٹ ہیر آئل** حیرت انگیز معجزہ

کہنے کو صرف یہ تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی اور نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزاء سے جدید اصول پر طیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنس دانون نے کی ہے اسکے فواید کی تفصیل مختصر اشتہار مین ناممکن ہے۔ مختصراً یون سمجھ لیجئے کہ گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے۔

اگر:۔ سر یا چندیا کے بال گر گئے ہین یا گر رہے ہین۔ یا بالخورہ اور گنج ہو گیا ہے۔

اگر:۔ نزلہ درد سر یا شقیقہ، دوران سر، ضعف دماغ و ضعف بصر، بے خوابی یا نسیان کی شکایت ہے۔

اگر:۔ سر اور جسم کی پھوڑیان، پھنسیان، گرمی دانے، خارش یا دیگر امراض جلدی کا دفع کرنا مقصود ہے۔

اگر:۔ کنٹھ مالا، سل اور دق وغیرہ سے محفوظ رہنا ہے

تو۔ ان سب کا واحد علاج **کایا پلٹ ہیر آئل ہے**

جو نہ صرف خوشبو بلکہ اپنی مقدار و وزن کے لحاظ سے بھی بازار کے تمام خوشبودار تیلون سے اچھا اور ارزان ہے۔

ڈاکٹر تیج بہادر لکھنؤ سے اپنی تحریر مین تصدیق فرماتے ہین کہ اس تیل کے فواید اشتہار کے مطابق پائے گئے ہین اور مرزا جعفر علی خان صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر رائے بریلی نے دوامی آرڈر ہر ماہ ایک شیشی کا دیدیا ہے۔

مولانا نیاز فرماتے ہین کہ بیگم نیاز کے تمام گرے ہوئے بال از سر نو پیدا ہو رہے ہین اور بہت گھنے۔

جوابی امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ ضروری ہے

قیمت معہ محصول۔۔۔۔۔۔۔ (عہ) دو شیشیون کے خریدار سے معہ محصول۔۔ ۶

منیجر کایا پلٹ ہیر آئل لکھنؤ

محلّہ کی رونق

مہرزمانی بیگم، اُس زمانہ کی خاتون تھین، جب عورت کو تعلیم تو نہین دیجاتی تھی، لیکن اس کی تربیت اتنی ہوجاتی تھی کہ خدا کی پناہ! یعنی یہ کہ وہ غلطیان کرکرکے، نقصان اُٹھا اُٹھاکر تجربات حاصل کرنے کے لئے، حوادث و اتفاقات کے رحم پر چھوڑ دیجاتی تھی اور آخرکار سن ڈھلتے ڈھلتے وہ سارے خاندان کے لئے ایک "تلخ حقیقت" اور "ناگزیر مصیبت" ہوکر رہجاتی تھی۔

مہرزمانی بیگم نے چونکہ دنیا مین بہت زیادہ غلطیان کی تھین، اس لئے وہ بہت زیادہ تجربہ کار تھین اور اسی نسبت سے "بے پناہ" ——— جسوقت وہ صبح کو بیدار ہوتین اور پوری قوت کے ساتھ دروازہ کو کھولتی ہوی، اپنی "ابعادِ ثلثہ" رکھنے والی بھاری، بلند، چوڑی اور کرخت آواز سے خادمہ کو پکارتی ہوئی نکلیتں، تو گھر کا ہر فرد اپنی جگہ گھبراکر اُٹھ بیٹھتا، گویا "اسرافیل" نے کہین قریب ہی کی گلی سے صور پھونکنا شروع کردیا ہے، اور چونکہ بدقسمتی سے وہ تہجد گزار بھی تھین اور سوتی بھی تھین ہمیشہ بارہ کے بعد، اس لئے انکا وجود تمام گھر کے لئے ایک ایسا فتنہ تھا، جو راتدن مین بیس گھنٹے بیدار رہتا تھا اور صرف چار گھنٹے محوِ خواب ——— اور "محوِ خواب" بھی کیا صرف "بستر آشنا" کہئے، کیونکہ جب وہ سوجاتی تھین تو اُن کے "خراٹے" جاگ اُٹھتے تھے، جو خود اک مستقل عذاب کی صورت رکھتے تھے۔

مہرزمانی بیگم کا صبح کو اُٹھتے ہی، سب سے پہلے خادمہ (گلشن) کو اپنی خزان رسیدہ اور بھیانک آواز سے پکارنا، گویا "بگل" کی آواز تھی کہ اس کے بعد کسی کا بستر پر پڑے رہنا، اپنے آپ کو "مارشل لا" کی گرفت مین دیدینا تھا۔

مہرزمانی بیگم کی زندگی کی تمام وہ کیفیات، جنھون نے زمانہ کو بے کیف بنا رکھا تھا منحصر تھین صرف ان دو باتون پر کہ اول تو وہ کسی وقت چپ ہوجانا گناہ سمجھتی تھین اور دوسرے یہ کہ صحیح معنی مین وہ اُس حوّا کی بیٹی تھین جس نے اپنی ضد اور زعمِ فراست پر جنت ایسی چیز کو ٹھکرادینے مین باک نہ کیا ——— خدا جانے کس نے اُن کو یقین دلادیا تھا کہ زبان اگر ہروقت جنبش نہ کرتی رہے تو مفلوج ہوجاتی ہے اور اگر بغیر عیب نکالے ہوئے کسی بات کو مان لیا جائے تو دماغ خراب ہوجاتا ہے۔ ان کی گفتگو ہمیشہ الزامی اور جواب طلب ہوا کرتی تھی لیکن زبان کی تیزی کا کیا علاج کہ اُن کی ایک بات کا جواب دینے سے پہلے، دوسری بات کا جواب انسان پر عاید ہوجاتا تھا اور آخرکار وہ کسی کا بھی جواب نہ دے سکتا تھا۔ اور بیگم صاحب اسی کو اپنے الزامات کی صحت کی دلیل اور زجر و توبیخ کے لئے سند سمجھتی تھین۔

کچھ عرصہ سے یہ بیوہ تھین اور ممکن ہے یہ اطلاع درست ہو کہ اسی قبل از وقت بیوگی کی ذمہ دار بہت کچھ وہ خود تھین ——— مرزا فریدون قدر یون بھی فطرتاً نہایت نیک نفس، بے زبان صلح کل اور متواضع انسان تھے اور اگر مہرزمانی بیگم کی جگہ ان کی بیوی کوئی اور ہوتی تو بھی وہ "نمک خوار" ہی قسم کے شوہر ثابت ہوتے، مگر انھون نے تو ان کو کچھ ایسا "خاکسار"

”فدوی“ بنادیا تھا کہ... تصوف کے تمام منازل جلد جلد طے ہونا شروع ہوگئے، یہانتک کہ ” فنا فی اللہ“ کی منزل تک پہونچنے مین بھی انھین زیادہ عرصہ نہ لگا۔ انھون نے اپنے بعد ایک جوان لڑکا برجیس قدر چھوڑا اور دو لڑکیان جن مین سے بڑی کی عمر ۱۶ سال کی اور چھوٹی کی ۱۰ سال کی تھی برجیس قدر کی شادی ہوچکی تھی اس لئے بہو بھی گھر مین موجود تھی اور اس طرح علاوہ دو خادمون اور تین خادمہ عورتون کے، مہر زمانی بیگم کے دائرۂ حکومت مین چار نفوس اور بھی شامل تھے۔

اولاد نے تو خیر، اسی استبدادی حکومت مین نشو و نما پایا تھا اور ابتدا ہی سے وہ اس کے عادی ہوچکے تھے، لیکن بہو کے لئے ضرور یہان کی غلامی بہت تکلیف دہ تھی۔ مگر جب وہ اپنے شوہر کو اسدرجہ ناچار و مجبور پاتی تھی تو اُسے بھی منہ کھولنے کی جرات نہ ہوتی تھی اور دل ہی دل مین گھٹ کر رہجاتی تھی ایک دن اسنے ہمت کرکے شوہر سے اپنے ساس کے مظالم کی داستان جستہ جستہ دُہرائی، تو وہ سنکر باہر چلے گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ راضیہ تعلیم یافتہ تھی اور خوشحال گھرانے کی، اس لئے مادی و روحانی دونون جذبات کے لحاظ سے اس کو سسرال مین اذیت پہونچتی تھی، مگر چونکہ ہندوستان کی لڑکی تھی، اس لئے اندر ہی اندر گھلنے کے سوا اور کیا کرسکتی تھی —— خیر، ہمیں کوئی فسانہ تو لکھنا نہیں کہ جزئیات سے بحث کرین، بلکہ مقصود صرف مہر زمانی بیگم کا کیرکٹر دکھانا ہے، اس لئے اور تمام جھگڑون کو چھوڑ کر فی الحال اُن کی زندگی کا صرف ایک دن پیش کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔

۲۰ جون کی صبح کو —— ان کے یہان گرمیون مین صبح ہمیشہ ۳ بجے رات کو ہوجاتی تھی اور جاڑون مین انتہائی رعایت کے ساتھ ۵ بجے، گویا طلوع آفتاب سے تین گھنٹے قبل کو ‌ڈن کے ساتھ ہی ان کی ” کائین کائین“ کا بھی شروع ہوجانا لازم تھا —— ہان، تو ۲۰ جون کی صبح کو جب وہ بیدار ہوئین اور حسب معمول گلشن کو آواز دی، تو گھر مین بالکل خاموشی طاری تھی۔ قاعدہ تھا کہ اُن کی پہلی گھن گرج آواز پر گلشن دوڑ پڑتی تھی اور سارے گھر مین آثار حیات پیدا ہوجاتے تھے، لیکن رات کو چونکہ گلشن کو بخار آگیا تھا اس لئے صبح کو اس کی آنکھ نہیں کھلی، بیگم صاحب کے نزدیک دنیا میں اس سے زیادہ کوئی قصور نہین ہوسکتا تھا کہ وہ کسی کو پکارین اور پہلی آواز پر دوڑتا ہوا نہ آئے۔ اس سکوت پر اُن کے غصہ کا پارہ دفعۃً اسقدر چڑھ گیا کہ بیتاب ہوکر، گالیان دیتی ہوئی گلشن کی کوٹھری کی طرف دوڑ پڑین۔ سوء اتفاق دیکھئے کہ شام کو دروازہ کے سامنے سے اسٹول ہٹانا کسی کو یاد نہ رہا اس لئے بیگم صاحبہ جو گھبرا کر باہر نکلین تو انکا کلی دار پائینچہ اس سے الجھ گیا اور وہ بڑی طرح منہ کے بل فرش پر گرین —— بیگم صاحب چونکہ قد و قامت مین، لندھور بن سعدان کی بہن تھین اس لئے اس دھماکے سے نہ صرف انکا سارا گھر بلکہ آس پاس کے بھی دو چار گھر چونک پڑے کہ یہ تین بجے رات کو دفعۃً کس کی سلامی سر ہونے لگی —— پہلے تو بیگم صاحب نے گرتے ہی شور مچانے کا ارادہ کیا، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ سب لوگ دوڑے ہوئے آرہے ہین، تو انھون نے اس واقعہ کو زیادہ سنگین بنانے کے لئے بیہوش ہوجانا ہی مناسب سمجھا۔ یہ وقت بھی، عجیب وقت تھا کہ بہو، صاحبزادے، صاحبزادیان اور تینون کنیزین پوری قوت کے ساتھ بیگم صاحب کے بے حس و حرکت جسم کو اُٹھانا چاہتی تھین اور انکا جاندار لاشہ کسی طرح جنبش مین نہ آتا تھا آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ وہین فرش پر قالین بچھا کر بیگم صاحب کو سرکا کے لٹا دینا مناسب ہے، بیگم صاحب کے کانون مین جو یہ

پھبنگ پڑی تو انھون نے اپنی غشی کو ختم کر دینا ہی مناسب سمجھا اور جس طرح وہ بیہوش ہوئی تھین، اسی طرح وہ ہوش مین بھی آنے لگین، پہلے آہستہ آہستہ ہونٹون مین لرزش پیدا کی اور لبون پر جنبش پھر نہایت ضعف کے ساتھ ہات کو ایک طرف ڈھلکا دیا اور تھوڑی دیر مین آنکھین کھولکر اس طرح دیکھنے لگین، گویا کسی اور عالم سے ابھی ابھی تشریف لائی ہین۔
ہر چند اُن کے ہوش مین آجانے سے سب کو اطمینان ہوا، لیکن اسی کے ساتھ اس خیال سے جسم پر لرزہ بھی طاری تھا کہ اسٹول سے ٹکرا کر گر جانے کی خطا مین دیکھئے کس کس کو مجرم قرار دیا جاتا ہے اور کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔ صاجزادہ تو خیر حکیم کے بلانے کے بہانہ سے باہر چلے گئے، لڑکیان اُن کو اُٹھانے اور بھو بستر درست کرنے مین مصروف ہو گئی، ایک گلشن ہی سامنے رہگئی تھی، سو بیگم صاحب نے قرعۂ فال اسی غریب کے نام نکالکر جو گالیون کی بوچھار شروع کی تو ایک منٹ مین بد حواس کر دیا اور اُٹھتے اٹھتے اس کے سر کے بال پکڑ کر اس طرح جھنجوڑ ڈالا گویا پھلیندے بگھار رہی تھین۔ بیگم صاحب صرف اس ایک سوال کا جواب اُس سے چاہتی تھین کہ " اسٹول کس نے رکھا " اور گلشن یہی کہتی جاتی تھی کہ " سرکار مجھے خبر نہین "۔ بیگم کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی، مصنوعی غشی کے مصنوعی اثرات رفع کرنے کے بعد انکا غصہ پورے جلال کے ساتھ بھڑک رہا تھا اور ہر شخص اپنی جگہ کانپ رہا تھا کہ دیکھئے آج کیا ہوتا ہے۔ حقیقتاً اسٹول ان کی بھو لائی تھین اور اسپر چڑھکر طاق سے کوئی چیز اُٹھائی تھی، لیکن بعد کو اُٹھانا بھول گئیں، گلشن کو اس کا علم تھا لیکن وہ کہنا نہین چاہتی تھی کہ مبادا بات زیادہ بڑھجائے۔ مگر وہ کب تک برداشت کرتی، آخر کار اس نے مجبور ہو کر کہہ دیا کہ " دُلھن سے پوچھیئے، وہی یہان لائی تھین " ——— یہ سننا تھا کہ بیگم نے گلشن کو چھوڑ کر غریب دلھن کی طرف رُخ کیا اور اگر اتفاق سے صاجزادہ صاحب حکیم کے آنے کی اطلاع نہ دیتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ڈراما کیونکر ختم ہوتا۔

حکیم صاحب اس خاندان کے پرانے معالج تھے اور چند دن سے بقول خود " ضعف " کا علاج کر رہے تھے۔ اب یہ معلوم نہین کہ اس سے مراد اُن کی " ضعف " دور کرنا تھا یا " ضعف " پیدا کرنا۔ جب انھین معلوم ہوا کہ آج صبح بیگم صاحب کو غش بھی آگیا تو انھون نے نبض دیکھنے اور حالات دریافت کرنے کے بعد دوسرا نسخہ تجویز کر کے چلدئے۔

ان کے جاتے کے بعد بیگم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ " ذرا نسخہ تو پڑھنا "

انھون نے پہلا جزو " گل بنفشہ کشمیری " پڑھا تھا کہ بیگم صاحب نے چیخنا شروع کیا " خدا غارت کرے ان حکیمون کو، معلوم نہین " بنفشہ " ان کی کوئی سگی لگتی ہے یا کیا کہ بغیر اس کا نام لئے ہوئے، انکا قدم ہی نہین آگے بڑھتا اور مین پوچھتی ہون کہ یہ حکیم صاحب میری کمزوری کا علاج کر رہے ہین یا زکام نزلہ کا لاحول ولا قوۃ۔ معاف کرو، مین باز آئی اس نسخہ سے اور ہان اس کے بعد کیا لکھا ہے؟ ——— " تخم گاؤزبان " ——— " کیا کہا، تخم گاؤزبان! آنکھین کھول کے پڑھو، برگ گاؤزبان لکھا ہوگا "۔

" جی نہین اس مین تو تخم گاؤزبان ہی لکھا ہے "

—— "لکھنے کی غلطی ہوگی، تخم کاٹ کے برگ کردو" اچھا آگے چلو"

—— "مویز منقی" —— "کتنے دانے لکھے ہین؟" —— "سات" ——

—— "سات زیادہ ہین، پانچ کافی ہونگے۔ اچھا" —— "تخم کنوت" ——

اس دوا کا نام سننا تھا کہ بیگم آگ ہوگئین اور نسخہ بیٹے کے ہات سے لیکر چاک کرتی ہوئی بولین کہ حکیم صاحب سے کہدینا کہ مہربانی کرکے اب میرے یہان آنے کی زحمت نہ اختیار کرین غضب خدا کا یہ گرمی کا زمانہ، یہ میرا اختلاج یہ ضعف دماغ اور تخم کنوت! معلوم ہوتا ہے میری جان لینے کا ارادہ ہے —— حماقت سے اسی عالم برہمی مین گلشن ناشتہ لے آئی جو غشی کی رعایت سے بہت ہی ہلکے قسم کا یعنی صرف دلیا اور دودھ تھا۔ بیگم نے دیکھتے ہی مارے غصہ کے کشتی پر جو ہاتھ مارا، تو دودھ سے تمام فرش خراب ہوگیا پلیٹ گر کر چور چور ہوگئی —— ایک تو بیگم کو اس بات کا غصہ کہ بجائے پراٹھون انڈون کے ناشتہ مین صرف دودھ اور دلیا لایا گیا، دوسرے اس امر کی برہمی کہ فرش خراب ہوگیا پلیٹ ٹوٹ گئی —— بس یون سمجھ لیجئے کہ بالکل "دو آتشہ" ہورہی تھین، اور آنکھین یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُبل کر باہر آجائین گی —— بیگم کے غصہ کے تین درجے تھے۔ پہلا ہلکے قسم کا غصہ تو وہ تھا جب صرف گالی کوسنے پر کفایت ہوتی تھی اور یہ ایسی استمراری چیز تھا کہ اسکی اہمیت بھی لوگون کے دل سے مٹ گئی تھی اور بیگم کا بڑبڑاتے رہنا، گھر کی رونق کا گویا جزو لازم ہوگیا تھا۔ دوسرا درجہ غصہ کا وہ تھا جب زبان کے ساتھ ہاتھ بھی چلتا تھا اور ہفتہ مین دو تین بار اس کا دورہ پڑنا یقینی تھا، اس کا مظاہرہ زیادہ تر خادمون پر ہوا کرتا تھا اور کبھی کبھی بیٹیون پر۔ لیکن ایک تیسری قسم غصہ کی اور بھی تھی، یعنی یہ کہ اُن کی زبان اور اُن کی ضرب دونون کا صرف خود اُن کی تین من کی وزنی "جان ناتوان" پر ہوا کرتا۔ وہ اس عالم مین اپنا منہ نوچ لینے لگتین، بال کھسوٹنا شروع کردیتین، دیوار سے سر مار دیتین، ہزارون گالیان خود اپنے آپ کو سنا ڈالتین۔ اس مین شک نہین کہ غصہ کی یہ کیفیت دوسرون کے لئے بے ضرر اور پُر امن وسکون تھی، لیکن اس کے اثرات مابعد ہمیشہ دوسری قسم کے غصہ کی صورت مین نمودار ہوتے اور وہ تمام "بے ضرری و امن پسندی" اک مستقل ہنگامۂ دار و گیر اختیار کرلیتی۔

اس وقت بھی جب ناشتہ انھون نے اس بُری طرح رد کردیا تو اس خیال سے کہ اب دوپہر تک کسی طرح کھانا نہین ملسکتا اور اُن کو اپنا وہ معدہ جو کسی وقت بغیر ثقیل غذا کے چین سے نہین رہسکتا تھا عرصہ تک خالی رکھنا پڑیگا، دفعتہً ان کا غصہ تیسرے درجہ تک پہونچگیا اور انھون نے وہی دیوانگی اختیار کرلی جو سارے اہل محلہ کو گوش بر آواز بنا دیتی تھی۔ اس غصہ کا دورہ عموماً زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ تک جاری رہتا تھا کیونکہ گھر کے سب لوگ چارون طرف سے انھین سنبھال لیتے تھے، خوشامدین کرکر کے ہاتھ جوڑ جوڑ کر سر پھوڑنے سے باز رکھتے تھے، لیکن اب ان کی طرف سے بیزاریان اس حد تک بڑھگئی تھین کہ ان کی اس حالت کو خدائی انتقام سمجھ کر سب اپنی اپنی جگہ خاموش رہجانا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس مرتبہ کسی نے ان کو نہین سمجھایا اور انکا جنون بڑھتا ہی رہا، یہانتک کہ چند منٹ مین اُن کے کپڑے تار تار ہوگئے اور جسم

لہولہان ——— جب وہ خود تھک کر نیم مردہ حالت مین گر پڑین تو سب سے پہلے صاحبزادے آگے آئے اور انھون نے نہایت ہی ادب کے ساتھ عرض کیا کہ "امی جان آپ ناحق اپنے آپ کو اسقدر ایذا پہونچاتی ہین، خدا کے لئے اپنے اوپر اور ہم سب پر رحم فرمایئے یہ آخر کب تک برداشت کیا جا سکتا ہے"

بیگم صاحب کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ امر اور کوئی نہین تھا کہ کوئی شخص ناصحانہ لہجہ مین ان سے گفتگو کرے وہ اس کو سخت توہین سمجھتی تھین ——— اس لئے وہ بیٹے کی یہ بزرگانہ گفتگو سُن کر اس سے زیادہ ضبط نہ کر سکین کہ ہات پکڑ کر ان کو فوراً باہر نکالدیا اور اس سانحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس دن گھر مین کھانا ہی نہین پکا اور بیگم صاحب کے ساتھ سب کو فاقہ کرنا پڑا سہ پہر کو جب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلین تو آنکھین سرخ تھین اور تیوریان چڑھی ہوئی، منہ پھولا ہوا تھا اور پیٹ پچکا ہوا ——— نکلتے ہی حکم دیا کہ تانگہ لایا جائے اور تھوڑی دیر مین وہ سوار ہو کر اپنی بہن کے مکان پر جو کسی دوسرے محلہ مین رہتی تھین چلی گئین

بیگم صاحب کی برہمی کا یہ صورت اختیار کر لینا کوئی نئی بات نہ تھی بارہا ایسا ہوا کہ وہ برہم ہو کر چلی گئین اور دو دو دن بھی اپنے پس ماندگان کو چین نہ لینے دیا کہ پھر واپس آگئین۔ ہر چند ان کی یہ غیر حاضری سب لوگون کو فردوسی سکون عطا کر جاتی تھی، لیکن اس نعمت کے جلد چھین لئے جانے کا خوف اس فرحت سے پوری طرح لطف اندوز نہ ہونے دیتا تھا۔

دونون بیٹیون کے لئے اول اول تو بہت جگہ سے پیام آئے، لیکن بعد کو جب معلوم ہوا کہ ان کی مان اس مزاج کی ہے تو پھر کسی نے ہمت نہین کی۔ بہو بھی مہینے مین بیس دن اپنے میکہ رہتی تھی اور باقی دس دن مین زیادہ حصہ بہانۂ علالت مین گزر جاتا تھا۔ بر جیس قدر کی یہ کیفیت تھی کہ کسی وقت اتفاق سے گھر آگئے تو آگئے، ورنہ زیادہ تر دوست احباب مین یا اپنی بیوی کے گھر اپنا وقت صرف کرتے تھے ——— وہ ملازم جو غریب کہین نہین جا سکتے تھے یا وہ اہل محلہ جو اپنے اپنے مکان نہین چھوڑ سکتے تھے، بیشک مستقل تماشائی اس "اکھاڑے" کے تھے اور جب کسی طرف سے کوئی شور و غوغا بلند ہوتا تھا تو بغیر کسی تحقیق کے ہر شخص آنکھ بند کر کے یقین کر لیتا تھا کہ "ہو نہ ہو یہ بیگم صاحب ہی ہونگی"

افسوس ہے کہ ایک ہفتہ ہوا دفعتہً مہر زمانی بیگم کے قلب کی حرکت بند ہو گئی اور قبل اس کے کہ کوئی طبیب آکر نسخہ لکھتا اور وہ اسکے اجزا مین حذف و اضافہ کرتین، آناً فاناً انکا انتقال ہو گیا۔ مین تو جنازہ مین شریک نہین ہوا، لیکن سنا ہے کہ کافی ہجوم ساتھ تھا اور ہر شخص کے چہرہ پر کچھ ایسے آثار پیدا تھے، جیسے کوئی بڑی خوشی کی بات ہو گئی ہے اور سب ملکر اس تقریب مسرت سے لطف اُٹھا رہے ہین۔ خود اُنکے گھر والون کے تاثر کا کیا عالم تھا؟ اس کا اندازہ یون ہو سکتا ہے کہ صبح کو جانیوالی کی یاد مین جب ہر شخص خوب سیر ہو کر کھانا کھانے کے بعد سویا ہے تو دوسری صبح تک کسی کی آنکھ نہین کھلی، لیکن عادت بھی کیا بری چیز ہے۔ صبح کو چار بجے جب مرحومہ کے کمرہ سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آئی تو گلشن نیند کی حالت مین یہی سمجھی کہ بیگم صاحب آواز دے رہی ہین اور وہ "حضور، سرکار" کہتی ہوئی اس طرح بدحواس ہو کر دوڑ پڑی جیسے بیگم صاحب کی زندگی مین دوڑ پڑتی تھی۔ بہر حال کوئی کچھ کہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ بیگم محلہ کی رونق تھین اور آج وہ رونق مفقود

شامِ شفق

دیکھ اے دل سامنے یہ منظرِ نیرنگ کار
آسمانِ مغرب مین ہے جوشِ شفق سے لالہ زار

پتیون کی آڑ مین چھپنے چلا ہے آفتاب
چہرۂ رنگین پہ ڈالے ایک نارنجی نقاب

آہ یہ خورشیدِ زرین یہ شعاعین یہ سکوت
حجلۂ زرتار مین بیٹھی ہے گویا عنکبوت

یا کوئی نازآفرین مستی مین گھبرائی ہوئی
جھانکتی ہے پردۂ زرین سے شرمائی ہوئی

طاسکِ گلگون مین یا ساکت ہے جامِ احمرین
یا غبارِ رنگ مین ہے کوئی گل خلوت نشین

ہین فضائین دوش پر رکھے ردائے شعلہ گین
یا ہے آغوشِ افق مین ایک بحرِ آتشین

یا سحابِ گل پہ رقصان ہے عروسِ نوبہار
دیکھ کر جس کی ادائین حسن خود ہے شرمسار

یا رہِ فردوس مین حورین ہوئی ہین گام زن
گردِ رنگین سے ہے جس کے آسمان گل پیرہن

اِس فضا مین یا ظہورِ رنگِ گلزارِ جہان
بیٹھے ہین زرین شعاعون پر بنا کر آشیان

یا ہوا پہنے ہے اک گلگون حبابی پیرہن
یا فضا مین کھل رہا ہے، احمرین پھولون کا بن

آگ گویا لگ رہی ہے وادیِ کہسار مین
جنگلون مین، دشت مین، دریاؤن مین گلزار مین

جوشِ رعنائی سے دودِ شعلہ آتش رنگ ہے
یہ افق، یہ بربطِ زرین شرر آہنگ ہے

دخترِ شامِ شفق دامن ہے سرمستِ شباب
غازۂ نارنج رخ پر مل رہا ہے آفتاب

یہ سکوتِ شام اور یہ منظرِ جنت اثر
کھینچتے ہین آہ کس شوخی سے دامانِ نظر

دیدہ سے دل تک ہے رقصان اک بہارِ لالہ خیز
ہے شرابِ عیش و عشرت چار جانب نشہ ریز

دل سے لگ کر سو گیا ہے جوشِ بیتابیِ غم
شام کو گہوارۂ ساحل مین جیسے موجِ یم

آہ یہ زر بیضۂ سیمرغ یعنی آفتاب
اِس فضائے احمرین مین کس طرح ہے جلوہ تاب

اک حبابِ آتشین، تنویر پیرا، لالہ فام
ساحلِ دریائے نیلم کی طرف ہے مست گام

کوہسارِ غرب سے اڑ کر سیاہی کا عقاب
آ گیا پھیلا کے اپنا بازوئے شبرنگ ناب

ہو رہی ہے غرقِ دینارات کے سیلاب مین
چھپ رہا ہے یا کنول اس اسودین گرداب مین

برق جیسے ابر مین، یا سنگ مین جیسے شرر
یا گلِ انجم فلک پر جیسے ہنگامِ سحر

وہ فضائے ارغوانی، وہ فروغِ نوبہار
تھے بساطِ شب پہ گویا رقصِ نیرنگِ شرار

یہ تماشائے حبابی دیکھ کر بے اختیار
میری آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہین جامِ زرنگار
یاد آتا ہے وہ تیرا حسنِ فردوسِ نظر
ڈوب جاتا ہے ہجومِ رنگ مین دل سربسر
یاد آتی ہے وہ چشمِ قوسِ صہبا آفرین
کوندتی ہے سامنے برقِ شبابِ احمرین
یاد آتا ہے ترا گل خندۂ راحت نواز
یاد آتی ہے ترے شانون پہ وہ زلفِ دراز

میری کشتی طلسمی مستِ انفاسِ صبا
کس طرح ہے اس سنہری موج مین نغمہ سرا

شمیمی۔ بی۔ اے

معارف

شکستہ پائی کا شکوہ ہے اعترافِ شکست
رگڑ کے ایڑیان زمزم کی لہر پیدا کر
متاعِ اشک کو رو رو کے خاک مین نہ ملا
اگر تو مرد ہے قطرے سے بحر پیدا کر

یونہی گنوا نہ تلاشِ سکون مین عمرِ عزیز
تجھے مثالِ شرر بیقرار رہنا ہے
تو خود ہی دوڑ کے مونہ چوم لے امین انکا
جن آفتون سے تجھے ہمکنار رہنا ہے

رہین نالہ و شیون! تری بلا جانے
مصیبتون کا یہ رونا ہی خود مصیبت ہے
تجھے خبر بھی ہے؟ قدرت کا ہے یہی قانون
کہ غم کو فرد کے احساسِ غم سے نسبت ہے

حیات خندۂ جاوید ہے حقیقت مین
خزان کے خوف کا گل پر کوئی اثر کیون ہو؟
امین جو دہر مین انسان بنکے ہو آیا
وہ اس حقیقتِ روشن سے بیخبر کیون ہو؟

امین حزین

تجلیات

ذوق صورت ساز و شوقِ جلوہ سامان داشتم
یاد ایامے کہ منزل۔ منزل جان داشتم

دست در دست نگارے شوخ و سیر کوہ طور
بود حاصل ہر تمنائے کہ پنہان داشتم

از جمال حسن ساقی صد بہار ان در نظر
وز فروغ بادہ برخود صد گلستان داشتم

گہ بزیر طور بہم دعوت ذوق نظر
گہ بہ سقفش دولت حسن خرامان داشتم

آہ آن ساعت کہ از فیض جمال ہمنشین
ہر نفس در ہر نظر جنت بدامان داشتم

ہم بچمن آوارہ ام ہم سر بصحرا دادہ ام
من جگر ہستم ہمان کامروز دور افتادہ ام

یاد ہین ابتک جگر وہ بیقراری کے مزے
دردِ پیہم کی لگاوٹ زخم کاری کے مزے

وہ جبین شوق اپنی وہ کسی کا پائے ناز
سجدہ ریزی کی لطافت اشکباری کے مزے

شوق کی روداد پردہ حسن کی بیہر یان
عشق کی فریاد پردہ شرمساری کے مزے

کہیے کیا کیفیتِ ناز و نیازِ حسن و عشق
رازداری جانتی ہے رازداری کے مزے

وہ اک آہِ آتشین کا جان مضطر سے سلوک
وہ نگاہ شرمگین کی غمگساری کے مزے

انتہائے سادگی و شوق سامانی کے لطف
ابتدائے عاشقی و خامکاری کے مزے

ہر جمالِ نو کی پیہم اللہ اللہ شان خاص
ہر خیالِ تازہ کی نا استواری کے مزے

دل سراپا درد ہے دل ہی سے اکدن پوچھئے
شام سے لیکر سحر تک دم شماری کے مزے

عشق کے مضبوط ترکِ عہد مطلب کی شکست
حسن کی نا منتقل غفلت شعاری کے مزے

اپنی ہر لغزش سے پیدا عشق کا لطفِ یقین
اُس کے ہر انداز پر بے اعتباری کے مزے

آہ وہ دردِ محبت کی گذشتہ لذتین
خوشگواری کے مزے ناخوشگواری کے مزے

قطرہ قطرہ موج صہبا ذرہ ذرہ جام جم
اب کہان سے لائیے اس میگساری کے مزے

شور مستانہ کجا و جلوۂ ساقی کجا
آہ آن ساقی کجا و آن مے باقی کجا

اے کہ وابستہ ترے دم سے نظام آرزو
سن پیام آرزو بعد از سلام آرزو

تو کہ جانِ حسن ہے اور حسن تیری جان ہے
ہان مبارک ہو تجھے عیش دوام آرزو

تیری ہر موج تبسم تیری ہر موج نظر
ایک برق طور بنکر بام آرزو

تیرا روئے آتشین مسجودِ صبحِ دلبری   تیری زلفِ عنبرین معبودِ شامِ آرزو
چشم و دل پردہ عنایت وہ کرم وہ مرحمت   اللہ اللہ تو کرے یون احترامِ آرزو
مین نہین بھولا تجھے تجھکو بھی شاید یاد ہو   تجھ پہ وہ چھایا ہوا کیفِ تمامِ آرزو
حرفے از دردِ دل بے مدعائے گفتنی ست
ماجرائے گفتم و صد ماجرائے گفتنی است

جگر مرادآبادی

سلمیٰ!

(Sonnet کے تتبع مین!)

بہارِ حسن کا تو غنچۂ شاداب ہے سلمیٰ!
تجھے فطرت نے اپنے دستِ رنگین سے سنوارا ہے!
بہشتِ رنگ و بو کا تو، سراپا اک نظارا ہے!
تری صورت، سراسر پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ!
ترا جسم، اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ!
شبستانِ جوانی کا تو، اک زندہ ستارہ ہے!
تو اس دنیا مین بحرِ حسنِ فطرت کا کنارا ہے!
تو اس سنسار مین، اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ!

جہانِ قدس کا تو ایک نورانی فسانہ ہے!
تجھے سلمیٰ! ادیارِ ناز کی اک ساحرہ کہیئے!
صنم آبادِ عفت کی، مقدس کافرہ کہیئے!
ربابِ حسن کا تو ایک الہامی ترانہ ہے!
پرستانِ لطافت کی، تو، اک رنگین کہانی ہے!!
جوان فطرت کا تو، اک گم شدہ خوابِ جوانی ہے!!!

اختر شیرانی

"التجا"

اک روز زندگی سے جو مین تنگ آگیا
کی بارگاہِ حسن مین بیٹھے یہ التجا

(۱)

اے خالقِ اُمید تمناؤن کے خدا
اے لاشریکِ حسن محبت کے کبریا!

اے مرکزِ خیال تصور کے کارساز
اے سجدہ گاہِ اہلِ نظر، قبلۂ رضا!

اے صورتِ نشاط، معانی انبساط
اے مقصدِ حیات، عبادت کے مُدعا!

اے زہرۂ جمال مہِ آسمانِ حسن
اے جنتِ نگاہ، طلسمِ خدا نما!

اے زندگی رونقِ بازارِ زندگی
اے مدعائے حاصلِ الفاظِ مدعا!

اے ساربانِ قافلۂ رہروانِ شوق
اے ناخدائے کشتیٔ طوفان آشنا!

اے باغبانِ گلشنِ ارمان وآرزو
اے پاسبانِ خواہشِ ربابِ بینوا!

اے روشنیٔ قلب سکونِ غمِ فراق
اے نورِ لایزال، فریبِ پس انا!

(۲)

کچھ یاد ہین تجھے وہ زمانے کی گردشین
جب چشمِ سحرکار نہ تھی عشق آشنا

تھا لفظِ شرم باعثِ توہین کمسنی
اور رنگ سے وُے ناز نہ تھا واقفِ حیا

ہر چیز کا مذاق تھا ہر بات کی ہنسی
اور لب مسرتون سے نہ تھے دور آشنا

ہر شے نئی نئی تھی نئی خواہشات تھین
لہو ولعب عزیز تھے طفلی کا دور تھا

ہر رنگ مین خوشی تھی یہ دنیا بہشت تھی
"دار النشاط" نام اسی غمکدہ کا تھا

مفہومِ غم سمجھ مین نہ آتا تھا اسلئے
دُنیا کے ہر الم کو ہنسی مین اُڑادیا

آخر سکون تواز یہ منظر بدل گیا
دیکھا جو غور سے تو تماشہ ہی اور تھا

(۳)

خاموش بڑھ رہی تھی لہو مین نمو کی موج
شعلے بھڑک چلے تھے گو نین ذرا

آنکھون مین آ چلی تھین جوانی کی سُرخیان
عارض پہ بہ چلا تھا پسینہ گلاب سا

شانے بھی ہو رہے تھے جوانی کا آئینہ
جوبن بھی کھنچ رہی تھی بتدریج کچھ سوا

باتین بھی رفتہ رفتہ ہوئی جارہی تھین نرم
نظرین بھی جھک چلی تھین بہ گوشِ شرم حیا

لہجہ مین بھی نسائی لچک آ چلی تھی کچھ
طرزِ خرام سیکھ رہا تھا کوئی ادا

کم ہو رہا تھا خندۂ آزاد دن بدن
لب کر چلے تھے صرف تبسم پہ اکتفا

لیکن ہنوز قلب شباب آشنا نہ تھا
بے ربط لرزشون سے اُسے واسطہ نہ تھا

(۴)

ناگاہ ایک آگ سی دل مین بھڑک اُٹھی
رگ رگ کو جسنے مخزنِ شعلہ بنادیا

نذرِ سکون دیکھے ملا حسن عشق سے
ہر دو طرف طلسم نے یکسان اثر کیا

ٹکرا گئین نگاہ، شرارے اچھل پڑے
دل جل کے بجھ گیا تو جگر سے دھوان اُٹھا

بجلی سی ایک کوند گئی روح کے قریب
سوئے ہوئے شباب کو کوئی جگا گیا

پہ چبھنے لگا کسی کا رگِ جان مین نیشتر
احساسِ ناز مین کوئی بجلی سی بہ گیا

دُنیائے حسیات مین ہلچل سی مچ گئی
دریائے خواہشات مین سیلاب سا اُٹھا

سینہ مین اضطراب کی بجلی خلش ہوئی
ہوش وخرد کو تجربہ اولین ہوا

جاگا نصیبِ عشق" ستارون نے کہدیا!
محکوم شاہِ حسن ہوئی گردشِ سما!

(۵)

اک بیخودی کا دور تھا مدہوشیون کا رنگ
ہر چیز جھومتی تھی ہر اک شے مین رقص تھا

پینگین بڑھی ہوئی تھین ہم ارتباط کی
ارمان شباب کے تھے اُمنگون کا جوش تھا

احساس سے چکا تھا کوئی کہربائی موج
لب ہو چکے تھے واقفِ لذاتِ مدعا

چشمک زنی کا لطف تھا پلکین زبان تھین — بے معنی گفتگو مین معانی کا رنگ تھا
کرتی تھین سو طرح نگہِ ناز منتین — دم بھر کے واسطے جو کوئی ہو گیا خفا
آپس مین چھیڑ چھاڑ کے یون سلسلے رہے — بگڑا اگر کوئی تو کوئی مسکرا دیا
ہر روز روزِ عید تھا ہر شب شبِ برات — بیداریوں مین لطف تھا نیندون مین کیف تھا

پامان کار یہ بھی فلک کو بُرا لگا
اب آنکھ جو کھلی تو زمانہ ہی اور تھا

(۶)

دنیا سیاہ پوش تھی تاریک تھا جہان — ذرون مین کائنات کے اک حشر تھا بپا
دھندلی سی ہو گئی تھی نگاہون مین چاندنی — سورج کی روشنی مین وہ کیفِ نور تھا

تنہائیاں پسند تھین خاموشیاں عزیز — سونا خیال و خواب تھا رونے کا شغل تھا
دلمین خلش تھی روح مین سوزش جگر مین پیس — آنکھوں مین اشک سر مین جنون لب پہ "یا خدا"
دنیا کے کاروبار مین بے رونقی سی تھی — ہر شے پہ چھا گئی تھی اداسی خزان نما
ہر دم کوئی خیال مین لیتا تھا چٹکیان — ہر وقت سامنے تھا کوئی نقشِ دلربا
پھر دن ضمیرِ عشق نے کی ہیں ملامتین — بھولے سے گر خیال کبھی مسکرا دیا
اکثر بہ تنگ آکے خدا سے کیا سوال — یارب حصولِ خلقتِ انسان ہے کیا؟
تھی بات لا جواب مگر دل دھڑک اٹھا — گفتا کہ "ہوش دار سکون آ رہا لبا!"

در کارخانہ کہ رہِ عقل و علم نیست
وہم ضعیف ورائے فضولی کند چرا؟

طالب باغپتی

ترانۂ دل

بیگانۂ راحت ہون، لبریزِ شکایت ہون — چھیڑے نہ کوئی مجھکو مین سازِ محبت ہون!
اک پردۂ رازِ غم، اک موجِ گدازِ غم! — سوزِ پرِ پروانہ شمعِ سرِ تربت ہون!
مشتاقِ جفا تو، مجبورِ وفا ہون مین! — تو نغمۂ عشرت ہے، مین غم کی حکایت ہون!
ساقی ہون نہ محفل ہون، خندان ہون نہ خوش دل ہون — اک سوز کا پیکر ہون، اک درد کی صورت ہون!
دیکھے نہ کوئی مجھکو اپنا سا بنا دون گا — مین غم کدۂ دل کا آئینۂ حیرت ہون!
ہون ذوقِ مسرت کے مفہوم سے بیگانہ — مین نالۂ عبرت ہون مین نغمۂ حسرت ہون!

کیونکر مین کہون کیا ہون، رازِ ایک تماشا ہون!
سودائی ہون، مجنون ہون، آوارۂ وحشت ہون!

جمیل ملک راز کوہاٹی

غزلیات

افسر امروہوی

تمھین افشائے رازِ عشق کا شکوہ ہے کیون مجھسے — مین اپنے ہوش مین کب تھا جو کہہ دیتا کبھی دل کی
زمانہ غیر، دشمن آسمان قسمت مخالف ہے — کرے گی اور کیا اس سے زیادہ دوستی دل کی
بالآخر یہ مآلِ اضطراب آرزو نکلا — کہ لے نکلی حدودِ زیست سے دیوانگی دل کی
نشانِ منزلِ مفقود کو سون تک نہین ملتا — کہان کھینچے لئے جاتی ہے مجھکو بیخودی دل کی
خلش زخمِ محبت کی نہ ہوگی کارگر کب تک
مٹا دے گی مجھے آخر کسی دن زندگی دل کی

ثاقب جالندھری

کیا امید کامیابی ہو کہ مقصد دور ہے — مجکو وہ منظور ہے جو ان کو نا منظور ہے
ظلم اوٹھاؤن اور پھر آمادہ شیون نہ ہون — کتنا دنیائے محبت کا برا دستور ہے
تم ستانا چھوڑ دو مین آہ کرنا چھوڑ دون — اپنی اپنی خو سے دنیا مین ہر اک مجبور ہے
غفلتون نے کر دیا کچھ بے نیاز جستجو — ورنہ کیا میری رگ گردن بھی مجھ سے دور ہے
تم نے مجکو پھونک ڈالا شمع نے پروانے کو — کیا جہان کے حسن والون کا یہی دستور ہے
پھر اسی انداز سے ثاقب گری برق جمال
پھر تمنائی کوئی بالائے کوہ طور ہے

ریاض خیرابادی

سُن کے یہ قبلے سے ابر اٹھے تو ہے پینا ثواب — لٹ رہا تھا میکدے مین ہم نے بھی لوٹا ثواب
کچھ نہین اعمال دنیا کا ہے عقبے ثواب — جو نہ کام آئے یہان کس کام کا ایسا ثواب
نزع تک قلقل سے رکھتی یاد اللہ اس لئے — پڑھ کے قل بخشی گی ہم کو قلقل مینا ثواب
پینے سے پہلے ہی کھانا تھا ہمین ساقی کباب — کرکے افطار آج ہم نے مے سے خود کھویا ثواب
کچھ ہو آب آتشین ہو جا ہے آب سرد ہو — ہم ہین پیاسے جو پلائیگا وہ پائیگا ثواب
پی کے مے ذکر خدا شکر خدا یاد خدا — ہے ہمارے واسطے شغل مے دینا ثواب

ایک دن تو خواب مین آتا لئے جام طہور — پڑھکے قرآن عمر بھر ہم نے جسے بخشا ثواب
راہ سے کعبے کی ہم نے ریزۂ مینا چُنے — کیا عجب اسکی عوض ہم کو ملے حج کا ثواب

روز عید ایسا کوئی امید والا ہے ریاض
ایک چلّو دے کے مے لے تیس روزونکا ثواب

شمیمی بی اے

میری نظر کی طرح اب اس جلوہ گاہ مین — تم بھی بھٹک رہے ہو ہجوم نگاہ مین
تھی اک نگاہ وہ ترے جلوون مین کھوگئی — اب تو نہین حجاب کوئی رسم و راہ مین
ہے دلفریب اُن کی اداؤن سے بھی سوا — تجدید رنگ حسن ہجوم نگاہ مین
اک برق بن کے دوڑتی ہے عشق کی تڑپ — میرے حریم دل مین تمھاری نگاہ مین
خود رحم مجھ کو شان کریمی پہ آگیا — ورنہ دھرا ہی کیا تھا نوائے گناہ مین
ملتے ہی آگ شاخ تمنا مین لگ گئی — کیا بجلیان بھری تھین تمھاری نگاہ مین
مین نے کہا یہ ایک دن اے حسن بے خبر — ق — غم کھائے جا رہا ہے مجھے تیری راہ مین
کیا میرے اضطراب کا کچھ بھی اثر نہین — کیا درد کچھ نہین میری فریاد و آہ مین
آئی صدا وہ حسن ہون مین جس کی انجمن — ڈوبی ہوئی ہے پرتو خورشید و ماہ مین

کیا تیری آہ کیا غم دنیا کی آفتین
ان کا گزر نہین ہے مری جلوہ گاہ مین

فرخ بنارسی

نہ پہونچین گی نگاہین جلوۂ حیرت تقاضا تک — اُٹھا دے دیکھنے والے حجاب چشم بینا تک
فریب التفاتِ حسن کی نیرنگیان توبہ — ہزارون رنگ دل کے ہو گئے خونِ تمنا تک
جنون مین جب قدم پہلے پہل گھر سے نکالا تھا — عجب عالم نظر آتا تھا آبادی سے صحرا تک
مٹے جب تک دل بیتاب دل مٹ نہین سکتی — کہ مد و جزر دریا ہے بقائے موج دریا تک
بچھا رکھا ہے دام ایسا فریب زندگی تو نے — گوارا کر رہے ہین ہم خوشی سے ناگوارا تک
فریب نفس کے باعث ہین غافل اک ہمین ورنہ — ادا کرتا ہے اپنا فرض ہستی ذرہ ذرا تک
ارزتا ہے ابھی سے دل مزاج یار برہم ہے — یہ عالم ہے تو کیا گزریگی اظہار تمنا تک
اُلجھ کر رہ گئی فرخ حجابات مظاہر مین — نگاہ نارسا پہونچی نہ حسن بے تماشا تک

معلومات

تصاویر متحرکہ تار پر

ڈاکٹر زوری کن سنجو امریکہ کا باشندہ ہے ایک عجیب و غریب آلہ تیار کیا ہے جس کے ذریعہ سے تصاویر متحرکہ تار کے ذریعہ سے منتقل ہو سکین گی۔ سب سے بڑی دقت تصاویر متحرکہ کے منتقل کرنے مین یہ ہے کہ جس رفتار سے سینما مین یہ تصویرین دکھائی جاتی ہین اُس رفتار کا قیام اس طور سے کہ ٹھیک اسی وقفہ کے ساتھ روشنی اور تصویر کے بعد دیگرے تار پر منتقل کی جائین مشکل ہے۔ لیکن ڈاکٹر موصوف نے اسکی یہ تدبیر کی ہے کہ پردہ کو بہت سے حصون مین تقسیم کر دیا ہے ان مین کا ہر حصہ صحیح مقدار روشنی کی حاصل کر کے ایک مکمل تصویر پیش کر سکے گا یہ حقیقتاً دنیائے اختراع کا عجیب و غریب واقعہ ہے کہ تار کے ذریعہ سے اس روشنی کو منتقل کیا جائے جو ایک تصویر کے نمایان کرنے کے لئے درکار ہوتی ہے اس سے قبل ایک انگریزی سائنسدان مسٹر بیرڈ اس قسم کی کوشش کر چکے ہین اور انکو ایک حد تک کامیابی بھی ہو چکی ہے لیکن امریکہ کے اس ڈاکٹر نے اس مسئلہ کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ اب نیویارک مین بیٹھکر ڈربی کی گھوڑ دوڑ دیکھ لینا قطعی ممکن ہو گیا ہے۔

نہ جلنے والے درخت

جرمنی مین اس امر کی کوششین کی جا رہی ہے کہ لکڑی کو آگ کے اندیشہ سے آزاد کر دیا جائے چنانچہ حال ہی مین وہان ایک قسم کی معدنی چیز دریافت کی گئی ہے جو درختون کے اندر پچکاری کے ذریعہ سے پہونچائی جاتی ہے جس سے وہ بڑی حد تک ناقابل احتراق ہو جاتے ہین۔ درختون کے تنون مین جڑ کے قریب چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیتے جاتے ہین اور وہ دوا ان سوراخون کے ذریعہ سے اندر پہونچائی جاتی ہے رفتہ رفتہ درخت کے تمام ریشون مین اس دوا کا اثر دوڑ جاتا ہے۔

ممالک مغرب مین بعض درخت اسقدر قیمتی ہوتے ہین کہ اگر ان کے جنگل مین آگ لگ جائے جو بڑی حد تک ممکن الوقوع ہے تو کرورون روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ اسوقت تک ایسے جنگلون کی حفاظت کے جتنے طریقہ استعمال کئے گئے وہ مفید ثابت نہین ہوئے اسلئے اب انھون نے مجبور ہو کر اس امر کی کوشش کی کہ خود درخت آگ کے خلاف اپنی حفاظت کر سکین۔

آفتاب کی حرارت پر انسانی تصرف

کیا آفتاب کی حرارت پر ہمین اتنا اقتدار حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے اپنے گھر اور صناعی کے کامون مین مدد لے سکین۔ اسوقت دو مشہور سائنس دان نہایت بڑے بڑے آتشی شیشون کی مدد سے اس کا تجربہ کر رہے ہین۔ ہر چند اس سے قبل اس کے تجربات ہو چکے ہین لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی۔ اب بہت زیادہ وسیع پیمانہ پر اس کو شروع کیا گیا ہے

ایک صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ بہت سے آتشی شیشہ اس ترکیب سے رکھے گئے ہین کہ ان سب کا مرکز شعاع ایک ہی حصّہ پر گرمی پہونچائے اور یقین کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ سے اتنی حدت آفتاب کی حاصل ہوسکے گی کہ لوہے کا ایک ٹکڑا آسانی کے ساتھ پگھل جائے گا۔ اگر یہ تدبیر تکمیل کی حد تک پہونچ گئی تو اس مین شک نہین کہ لاکھون روپیہ کا صرف ہر کارخانہ کو بچ جائیگا۔

ریل کے تصادم سے بچنا

اسپین مین ایک لاسلکی آلہ حال ہی مین اس قسم کا ایجاد ہوا ہے کہ اسنے ریلون کے تصادم کو ناممکن کر دیا ہے۔ یہ آلہ انجن ڈرایور کی گاڑی مین لگا دیا جائیگا۔ جسوقت کوئی گاڑی سامنے سے آتی ہو گی تو یہ آلہ پوری قوت کے ساتھ الارم کی گھنٹی بجائیگا اور نہایت تیز سرخ روشنی پیدا کریگا جو میلون پہلے آنے والی گاڑی کے ڈرایور کو خبردار کر دیگی۔

سب سے ہلکی دہات

تسہیوم سب سے زیادہ ہلکی معدنی چیز ہے اس کا ثقل نوعی پانی سے نصف ہے اور اسی لئے وہ پانی مین تیرتی ہے اس کا رنگ چاندی کی طرح ہوتا ہے اور نرمی مین سیسہ کے مانند۔ دوسری دہاتون سے بہت جلد مل جاتی ہے اور آگ کو فوراً قبول کر لیتی ہے۔ اسوقت تک یہ دہات بہت قیمتی سمجھی جاتی تھی اور ایک پونڈ کی قیمت ۵۰ گنی ہوتی تھی کیونکہ اس کے حاصل کرنے مین بہت صرف ہوتا تھا لیکن اب نیویارک کے ایک ڈاکٹر نے ایسا آسان طریقہ اسکے حصول کا دریافت کیا ہے کہ اس کی قیمت بجائے پچاس کے تین گنی فی پونڈ رہ گئی ہے۔ جب یہ دہات ہلیوم گیس مین ملادی جاتی ہے تو اسکی قوت رافعہ پندرہ فیصدی بڑھ جاتی ہے اور ہوائی جہازون کے طیران مین بہت مدد ملتی ہے۔

آگ بجھانے کے آلات مین ایک اضافہ

آگ بجھانے کے لئے بلاد انگلستان مین جو آلات استعمال کئے جاتے ہین اُن مین ایک ضروری چیز سیڑھی بھی ہے جو بہت لمبی ہوتی ہے۔ اس سیڑہی کے ذریعہ آگ بجھانے والے بلند چھتون پر پہونچ جاتے ہین اور لوگون کی جان اور مال بچاتے ہین لیکن ایک خرابی اسمین یہ تھی کہ انکو اس بات کا پتہ نہین چلتا تھا کہ مکان کے کس حصہ مین ہمکو پہلے پہونچنا چاہئے اور کہان کہان لوگ زیادہ خطرہ مین ہین۔ اب اس نقص کے دور کرنے کے لئے سیڑھی کے سرے پر ٹیلیفون لگا دیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے مکان کے لوگ آگ بجھانے والون کو ہدایت کر سکین گے کہ انکو کس جگہ جلد پہونچنا چاہئے۔ چونکہ آگ لگنے کے ہنگامہ مین کوئی شخص کسی کی آواز یون نہین سن سکتا اس لئے ٹیلیفون کا اضافہ زیادہ مفید وکارآمد ثابت ہو گا۔

شخصیت کی تحقیق معدہ سے

اسوقت تک مجرمون کی شناخت اُن کی انگلیون کے نشان سے ہوتی ہے لیکن آئندہ معدہ کی تصویر سے شناخت کا کام کیا جائیگا۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی مین ڈاکٹر روبرٹ موڈی اس مسئلہ پر طلباء کو لکچر دے رہے ہین اور انہون نے ثابت کیا ہے کہ ہر شخص کی معدہ کی ساخت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے اسلئے اگر اکس ریز کے ذریعہ سے ایک شخص کے معدہ کی تصویر لے لی جائے تو ہم ہمیشہ اس کو پہچان سکتے ہین

چورون کی گرفتاری کا نیا طریقہ

لندن کی پولیس بہت کامیاب پولیس سمجھی جاتی ہے اور چونکہ وہان کے چور بھی بہت زیادہ ہوشیار ہوتے ہین اسلئے پولیس کو گرفتاری کے لئے خاص خاص تدابیر سے کام لینا پڑتا ہے سب سے زیادہ دقت وہان چورون کی گرفتاری مین یہ پیدا ہوتی ہے کہ پولیس کے پہونچتے پہونچتے وہ موٹرون پر سوار ہوکر غائب ہوجاتے ہین اس مشکل کو دور کرنے کے لئے وہان کی پولیس کو ٹنیس کے گیند کے برابر قمقمہ دیئے گئے ہین جن کے اندر جلد سوکھ جانے والا رقیق مادہ بھرا ہوتا ہے۔ جب کوئی چور اس مین سوار ہوکر بھاگتا ہے تو پولیس والا قمقمہ موٹر پر کھینچ مارتا ہے۔ جسوقت یہ قمقمہ ٹوٹتا ہے تو اس سے نہایت تیز بو پیدا ہوتی ہے اور وہ رقیق مادہ موٹر پر کانچ کی طرح جم جاتا ہے اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ موٹر تھوڑی دور آگے چل کر روک دیا جاتا ہے اور دوسرے پولیس والے چورون کو گرفتار کر لیتے ہین۔

بحر و بر کے درمیان سلسلۂ لاسلکی

لاسلکی خبر رسانی کی ایجاد کو زیادہ زمانہ نہین گزرا، مگر اب اس کا استعمال عام ٹیلیفونون کی طرح کثرت سے ہونے لگا ہے اور آیندہ ترقیون کا سلسلہ بھی جاری ہے، چنانچہ اسی سلسلہ مین ایک کوشش یہ ہو رہی تھی کہ خشکی و تری کے درمیان بھی اسکا سلسلہ جاری کر دیا جائے تاکہ بحر اٹلانٹک مین سفر کرنے والا ایک تاجر اپنے نیویارک کے دفتر کو جہاز مین بیٹھے بیٹھے ہدایتین کر سکے، اب یہ تجویز پورے طور پر کامیاب ثابت ہوگئی ہے، اور امریکہ نے اس کے اجراء کا اعلان کر دیا ہے، چنانچہ نیویارک کی "ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی" کے صدر مسٹر جفر ڈ نے امریکہ کے ایک جہاز "لویاتھان" سے اسی طرح گفتگو کی، یہ جہاز یورپ جارہا تھا، اور اگرچہ گفتگو کے وقت امریکہ کے ساحل سے صرف ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھا، لیکن خیال ہے کہ اس مین فاصلہ کی کمی و بیشی ناقابل لحاظ ہے کیونکہ یہ گفتگو جس طرح ۲۰۰ میل کے فاصلہ سے ہوسکتی ہے اسی طرح ۱۵۰۰ میل کے فاصلہ سے بھی ممکن ہے، مسٹر جفر ڈ نے توقع ظاہر کی ہے کہ عنقریب دنیا کے ہر بڑے جہاز مین لاسلکی کا یہی سلسلہ قائم ہو جائیگا تاکہ خشکی و تری کی تفریق قائم نہ رہے

رسالۂ حسن نہ خریدیے لیکن کم از کم اسکے مضامین کی فہرست تو دیکھ لیجیے

مارچ، اپریل اور مئی کے پرچون مین حسب ذیل مضامین شائع ہوئے ہین۔ تنویم۔ غیر معمولی تمثیل۔ بھوت پریت۔ خواب کی دنیا۔ مقناطیسیت اور جسم ہیجان۔ مسمریزم۔ حقیقت پس پردہ۔ روحانی تحقیقات کی تاریخ۔ مسئلہ تناسخ۔ کیا ہم مُردون سے باتین کر سکتے ہین۔ ایک لڑکی کی روح۔ مشاہدات و تجربات۔ اقتباسات۔ — سالانہ چندہ ۱۲ ششماہی خریداری کا قاعدہ نہین ہے۔ "منیجر نگار"

پرتاب	۱۲/
روہنی	۱۰/

مولانا شرر مرحوم

جنید بغدادی	عہ/
ملکہ زنوبیہ	۳/
قرۃ العین	۳/
محذرات	۸/
جویائے حق	للعہ/
بعت چین	عہ/
فاتح مفتوح	عہ/
بابک خرمی	۸/
الفانسو	۱۲/
ایام عرب	۸/
قیس و لبنیٰ	۸/
یوسف و نجمہ	
زوال بغداد	
مینا بازار	
مقدس ناز[illegible]	
رومتہ الکبریٰ	
فلپانا	
شوق[illegible]	

نیکی کا پھل	عہ/

شوق قدوائی

ترانۂ شوق	۸/
قاسم و زہرہ	۱۲/ و عہ/
نیرنگ جمال	۴/

میر ولی اللہ بی اے

بندگی	
کاس الکرام	
لسان الغ[illegible]	

حکایات و احتساسات	۴/

دلچسپ تاریخی جاسوسی ناول

سراب فیشن	۸/
بالشوک شہزادی	۸/
شہید وف[illegible]	

سیاحت زمین	۴/
سیاحت ہوا	عہ/
نازنین مراکش	۸/
سمندر کی سیر	۶/
اسرار بالشویزم	۴/

مراثی مونس	۱۲/
مراثی دلگیر	۱۲/

تذکرۃ الشعرا

تذکرۂ حسینی	۱۱/
گلشن	۱۰/

دیوان ناسخ	عہ/
کلیات میر	۸/
کلیات سودا	۸/
کلیات انشا	۸/
کلیات نظیر اکبرآبادی	عہ/
گلزار داغ	عہ/